بس اک یقین

فرحت شوکت

دور سے آتی اذانوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں تو وہ دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک پل کے لئے تو اسے یاد ہی نہ آیا کہ اس کا بدن اتنا درد کیوں کر رہا ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے اس کی ساری تکلیف بھک سے اڑ گئی۔ یہ تکلیف اس تکلیف سے زیادہ نہیں تھی جو اس نے رات کو سہی تھی۔ رات کا ایک ایک [illegible] کی آنکھوں کے [illegible]منے آیا تو اس کی آنک[illegible] اذیت کے [illegible] چھلک پڑیں۔ نفرت [illegible] آوازیں اس [illegible] کی چھلنی کر گئی تھیں۔

[illegible] باوجود وہ ایک بار پھر [illegible] کچھ یاد کرتے [illegible] تھوں میں چھپا کر رو پڑی۔

گھر میں ایک کہرام سا [illegible] اس کی چیخوں سے خاموش در و دیوار گونج اٹھے تھے۔

رات کے ایک بجے اس کی چیخیں آسمان سے ٹکرا رہی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک ایک چپ کا سایہ اس پورے گھر پر اور اس گھر کے مکینوں پر منڈلا رہا تھا۔ مگر اب صرف اس کی سسکیاں تھیں جو فضا میں موجود سکوت کو توڑ رہی تھیں۔

"چھوڑ دیں مجھے بھیا...... میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"

مگر وہ سن ہی کہاں رہے تھے۔ اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اندر کمرے کی طرف لے جا رہے تھے۔

[illegible]ابا، اماں اور بھابھی وہیں کھڑے خاموشی [illegible]ے مگر کوئی بھی آگے نہ بڑھا تھا۔

"بتا[illegible] کھیل کھیلا جا رہا ہے؟"

بھیا اس سے [illegible] کو پوری طاقت سے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

اپنے ہاتھ میں جکڑتے ہوئے غرا کر بولے تو وہ بھیگی آنکھوں سمیت ان کی شکل دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے۔ کون سے کھیل کی بات کر رہے تھے۔ وہ شدید حیرت کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے، میں تجھے ایک منٹ بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔" بھیا نے اسے بازو سے پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے برآمدے سے باہر لے آئے۔ وہ تکلیف سے کراہ اٹھی۔

"عاصم اس طرح مت کریں۔ پہلے ایک بار اس کی بات....."

"ہٹے جاؤ یہاں سے۔" بھیا نے طیش میں آکر بھابھی کو بھی پرے دھکیل دیا۔

"ارے میں تو کہتی ہوں اس کم بخت کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ نہ کہیں جائے گی اور نہ کوئی گل کھلائے گی۔" دادی اماں جو نیند بجتے ہی سو جاتی تھیں۔ آج اب تک جاگ رہی تھیں۔ نہ صرف جاگ رہی تھیں بلکہ اپنے پورے ہوش و حواس میں موجود صورتحال کا جائزہ لے کر اپنا مفید مشورہ بھی دے دیا تھا۔

مگر بھیا کسی کو بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ تب ہی بابا آگے بڑھے اور بھیا کو روک دیا۔

"کہاں تھیں تم اب تک؟"

اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ بابا اس کی تکلیف کو نہ سمجھ پاتے۔ وہ تو اس کی ہر اس بات کو جان جاتے تھے جو اس نے کبھی کہی نہ ہوتی۔ وہ تو اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے تھے۔ ذرا سی چوٹ لگنے پر بلبلا سے جاتے تھے۔

پھر اب..... اب کیوں بابا جان اس کے درد کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ اب کیوں اس کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنی پر تکلیف بھلائے بابا جان کو امید و بیم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں اس وقت۔ اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت دوبارہ جلنے لگی تھی۔

مگر یہ بابا نے کون سا سوال پوچھا تھا؟ بابا اس کے قریب آئے تو ضرور مگر ایک نفرت آمیز نظر ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔ وہ دھندلی آنکھوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"تو بابا بھی مجھے غلط سمجھتے ہیں۔"

یہ اس کے لئے ایک تکلیف دہ احساس تھا۔ تب اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ جو شعلہ بار نظروں سے اسے بھی دیکھ رہی تھیں۔

"اماں میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرا یقین کریں اماں۔" وہ گرتی پڑتی اماں کے قدموں سے لپٹ گئی۔

وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اماں نے ایک جھٹکے سے اسے آگے کی طرف دھکیلا اور اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

بھیا اور بابا پہلے ہی اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ بھابھی اس کی طرف بڑھ ہی رہی تھیں مگر بھیا کی آواز پر چار و ناچار انہیں کمرے میں جانا ہی پڑا۔

اور دادی بھی تو بہ استغفار کے ورد کرتی پہلے ہی اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھیں۔

ایک دم پورے ماحول پر عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔ ہر چیز خاموش سی تھی ہر شئے سے پراسراریت جھلک رہی تھی۔ وہ ترتیب سے بنے کمروں کے ان بند دروازوں کو دیکھنے لگی جن کے دوسری طرف اس کے اپنے موجود تھے۔ اس کے سرپرست اسے زمانے کی سرد و گرم سے محفوظ رکھنے والے۔ آج خود ہی وقت کے تیز دھارے میں بہہ کر اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ گئے تھے۔ اس کے جسم کو زخموں سے بچانے والے خود اس کی روح میں نشتر چبھو گئے تھے۔ اسے ہمیشہ اجلے

کپڑے پہنانے والے آج خود اس کے پاک دامن پر چھینٹے اچھال گئے تھے۔ اسے روشنی کا سبق پڑھانے والے آج خود اسے تاریک اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں دھکیل گئے تھے۔

وہ کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی۔ اس نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کیں تو آنکھوں میں ٹھہرا ایک گرم سیال مادہ بہہ کر اس کے چہرے کو تر کر گیا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے برآمدے میں لگے مضبوط ستون سے سر ٹکا لیا۔

ماربل کے ٹھنڈے یخ فرش پر وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر بیٹھی اپنی قسمت کی ستم ظریفی کو اپنی بند آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ کاش آج کا دن اس کی زندگی میں کبھی نہ آیا ہوتا۔

اس نے کرب سے سوچا اور ایک نظر اماں اور بابا کے کمرے پر ڈالی۔

بھیا تو شروع سے ہی جذباتی واقع ہوئے تھے۔ چھوٹی سی بات کو نہایت شدت سے لیتے اور پھر ایک مسئلہ کھڑا کر دیتے تھے۔ مگر بابا اور اماں انہیں کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کیوں اس کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔

"نہیں وہ تو میرے ماں باپ ہیں۔ پھر کوئی ماں باپ اپنی اولاد کے بارے میں کوئی غلط رائے کیسے قائم کر سکتے ہیں۔ ایک وقتی جذبہ تھا جو ان پر حاوی ہو چکا تھا۔ میرے حقیقت بتانے پر وہ مجھ سے بدگمان ہرگز نہیں ہوں گے۔" وہ دل ہی دل میں خود کو مطمئن کرنے لگی۔ پھر آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اپنے نڈھال جسم کو سنبھالتے ہوئے اٹھ گئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے جاء نماز پر جا کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی مسلسل

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

آنسو بہہ رہے تھے۔ اس سے اپنوں کی یہ بے اعتنائی اور بے رخی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لئے جب ہاتھ اٹھائے تو کتنی ہی دیر تک شدت کے ساتھ رونے کے علاوہ اور کچھ بھی نہ کر سکی۔

وہ اپنے آپ کو حد درجہ بے بس محسوس کر رہی تھی۔

''یا اللہ، میرے مولا تو جانتا ہے۔ تو بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میرے رب مجھے اپنے والدین کی نظروں میں سرخرو کر دے۔ مجھے پالنے والے تیری ذات بہت پاک ہے۔ تو مجھے رسوا نہ کرنا میرے مالک۔ میں نے اگر زندگی میں کوئی نیکی کی ہے تو اس کے بدلے میں مجھے میرے گھر والوں کی نظروں میں معتبر کر دے ورنہ سب مجھے حقارت سے دیکھیں گے۔ مجھ سے نفرت کریں گے۔ میرے والدین کے دل میں میرے لئے محبت ڈال دے۔ ایک ایسی محبت جو ہر الزام پر حاوی ہو جائے۔ میری بے گناہی کے بارے میں تو جانتا ہے۔ تو میری حفاظت کر میرے مالک۔ میری عزت رکھ لے۔ تو میرے حق میں یہ حالات بہتر کر دے۔''

اس کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سجدے میں گر کر سسک پڑی تھی۔

تب ہی پو پھٹنے لگی تھی۔ باہر سے آتی دادی کی چپلوں کی آواز پورے گھر میں عجیب سی ہلچل پیدا کر رہی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر اپنے کمرے کے دروازے پر ہونے والی ایک مانوس سی دستک کا انتظار کرنے لگی۔ مگر یہاں سے وہاں جاتیں دادی شاید آج اس کے کمرے کے آگے سے بھی نہ گزری تھیں۔

اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ گئی۔

''میرے بعد صرف میری ہادیہ ہے جو اس گھر میں ہونیوالی صبح کو صبح بخیر کہتی ہے۔ میں ایک ہی دستک دیتی ہوں اور یہ اتنی سرعت سے دروازہ کھولتی ہے کہ لگتا ہے مجھ سے بھی پہلے کی اٹھ کر بیٹھی ہوئی ہے۔''

دادی کے کہے گئے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے تو وہ بے اختیار رو پڑی۔ آج آپ دستک دینا بھول گئی تھیں۔ دادی ہادیہ کو ہی بھول گئی تھیں۔ وہ بستر پر ڈھے سی گئی تھی۔ پھر نجانے کب روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور جب سو کر اٹھی تو دوپہر کے دو بجے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔ چاروں طرف خاموشی کا راج تھا۔ صحن میں اماں کا تخت خالی تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔

اس نے کچن میں جھانکا وہاں پر بھی کوئی نہیں تھا۔ گویا بھابھی بھی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔

وہ اماں کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس نے کپکپاتی انگلیوں سے دروازہ کو تھوڑا سا پش کیا تو کھلتا چلا گیا۔

سامنے ہی اماں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں دروازے کی طرف ان کی پشت تھی۔ اس نے ایک نظر پورے کمرے میں دوڑائی۔ بابا کہیں نہیں تھے۔ وہ یقیناً اپنے اسٹور پر جا چکے تھے۔

''ارے میری صبح تو اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک میری بیٹی میرے لئے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ نہ بنائے۔'' بابا کی محبت بھری آواز اسے دور سے آتی سنائی دی تھی۔

''تو بابا آپ کی صبح بھی ہو گئی اپنی بیٹی کے ہاتھ کا ناشتہ کیئے بغیر۔'' اس نے کرب سے سوچا۔

وہ کب ان سب کی محبتوں سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ ان کی محبتیں تو اس کے ہر ہر قدم پر ہیں

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

پھر کیسے خود کو بچا سکتی ہے۔

وہ آنسو صاف کر کے ہر خیال کو جھٹک کر اندر داخل ہو گئی اور اماں کے قدموں کے پاس کارپٹ پر دوزانوں بیٹھ کر ان کے پاؤں چومنے لگی۔

اس کے آنسوؤں سے اماں کے پاؤں تر ہو رہے تھے۔ اماں ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں تو وہ بھی سیدھی ہو کر بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا کرنے آئی ہے یہاں؟''

انہوں نے قدرے تیز آواز سے پوچھا تو وہ سہم سی گئی تھی۔ مگر پھر ہمت کر کے بولی۔

''اماں، اماں آپ بھی یہی سمجھتی ہیں کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے؟''

وہ آس بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اماں اس کی ماں ہیں۔ وہ کبھی بھی اپنی بیٹی کو غلط نہیں سمجھیں گی۔ مگر.....

''جا پرے ہو جا میری نظروں سے۔'' ان کی نفرت سے بھری آواز پر وہ اپنے خیالات کو جھٹک کر انہیں بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

''ارے مجھے ایک بات بتا۔ کس چیز کی کمی تھی تیرے پاس آج تک جو تو نے چاہا وہ ہم نے کیا۔ جو تو نے مانگا وہ ہی لا کر دیا۔ پھر کون سی کشتگی باقی تھی جو اپنے ماں باپ کی عزت کو پس پشت ڈال کر اپنے ارمان پورے کرنے چلی تھی۔''

''اماں بس! بس کریں اماں، خدا کے واسطے چپ کر جائیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں کو ان کے سامنے جوڑتے ہوئے التجائیہ انداز میں بولی۔

اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''میرا یقین کریں اماں! میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ میری بات سن لیں صرف ایک بار۔''

وہ ان کے پاؤں پکڑ کر بولی۔

''کچھ نہیں سننا مجھے، چل دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔'' وہ اس کے ہاتھ اپنے پاؤں پر سے ہٹاتے ہوئے ترش لہجے میں بولیں۔

''جس کو اپنے باپ بھائی کی عزت کا پاس نہ ہو وہ میری بیٹی نہیں ہو سکتی۔ تو نے تو ہماری راتوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ نجانے وہ کون سی گھڑی تھی جب میں نے تجھے پیدا کیا تھا۔ سسرال میں بنی ہوئی میری برسوں کی ساکھ کو تجھ جیسی آوارہ بدچلن کی نذر جائے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' وہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنا ماتھا پیٹتے ہوئے بولیں۔

اماں ان عورتوں میں سے تھیں جو ہر حال میں اپنے سسرال میں اپنی عزت کو بحال کیئے رکھتی ہیں چاہے اس کے لئے انہیں اپنی اولاد کے اعتماد کو بھی روندنا پڑے۔ وہ گریز نہیں کریں گی۔

''تو چلی جا یہاں سے ابھی اور اسی وقت چلی جا۔ تیرے بابا نے مجھے تجھ سے بات کرتے دیکھ لیا تو وہ نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے، بس تو چلی جا یہاں سے۔'' اس نے تاسف سے ایک نظر ان کو دیکھا اور پھر نڈھال نڈھال سے قدموں سے واپس پلٹ گئی۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ کیسے خود کو ان کی نظروں میں مزید گرنے سے بچائے۔

اب سے پہلے کا ہر دن اس کے لئے کس قدر خوبصورت دن ہوتا تھا۔ بغیر کسی رنج و غم کے بے فکری کے دن اور لاپرواہی کے لمحے۔

اس نے اپنی اب تک کی زندگی اور حالات کے بارے میں سوچا۔ اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

وہ ایک مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ جہاں پیسے کی فراوانی تو نہیں تھی۔ مگر کمی بھی نہیں

تھی۔ دنیا کی ہر آسائش سے مزین یہ گھر خاندان کے باقی گھروں میں خاص طور سے قابل ذکر تھا۔

مگر اسے اس گھر کی ہر چیز سے عزیز وہاں رہنے والے افراد کی بے تحاشا محبت تھی۔ بچپن سے ہی وہ پھولوں کے ہنڈولے میں جھولے لیتی رہی تھی۔

بابا کی اس سے حد درجہ محبت، اماں کا بے تحاشا پیار، دادی کی آنکھوں کا نور، بھیا کی بے پناہ توجہ اور بھابھی کی چاہت۔

بس یہی تمام چیزیں اس کی پوری زندگی کا حاصل تھیں۔ وہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جب وہ فورتھ کلاس میں تھی تو بابا نے اسے گلابی رنگ کا ایک خوبصورت سا ریڈی میڈ فراک لے کر دیا تھا جسے پہن کر وہ بالکل کوئی پری لگ رہی تھی۔ اس گلابی فراک میں اس کی گلابی رنگت مزید کھل اٹھی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی نرم سی مسکراہٹ کسی کو بھی اس سے بے اختیار محبت کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

بابا نے فرط محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

اماں بھی سارے کام چھوڑ کر اس کی بلائیں لینے لگیں۔

''انیسہ بیگم میری بیٹی بہت پیاری ہے تم دیکھنا یہ بڑی ہو کر ہمیں کتنا سکھ دے گی۔'' بابا نے ایک جذب کے عالم میں کہا تو اماں نے بھی مسکرا کر ان کی تائید میں سر ہلا دیا۔

''اے زمان، میں کہتی ہوں بیٹیوں سے ذرا کم ہی محبت کرو۔ یوں نہ ہو کہ کل کلاں کو تمہارے منہ پر سیاہی تھوپ دے۔''

دادی جو صحن میں بیٹھیں کافی دیر سے اماں اور بابا کی اپنی بیٹی سے اتنی محبت اور چاہت دیکھ رہی تھیں۔ یکدم ناگواری سے بول اٹھیں۔ وہ بیٹیوں کو ایک حد میں رکھنے کی قائل تھیں۔

''اماں یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' بابا نے اسے گود سے اتارتے ہوئے برا منانے والے انداز میں کہا۔

''ارے بیٹا صحیح کہہ رہی ہوں میں۔ ایک دنیا دیکھی ہے میں نے تب ہی جانتی ہوں۔ بیٹیوں سے اتنی محبت اچھی نہیں ہے۔ انہیں جتنا سر پر چڑھاؤ چڑھے جاتی ہیں۔''

اور پھر وہ اکثر یہ باتیں سننے لگی تھیں۔ وہ شعور کی طرف جانے والے راستے پر قدم رکھ چکی تھی اور بہت سی باتوں سے وقت سے پہلے ہی آگہی ہو گئی تھی۔ وہ اپنا آپ بہت سنبھال سنبھال کر رکھتی تھی۔ کچھ تو اماں اور دادی کی باتوں کا اثر تھا کچھ اس کی فطرت ہی بہت سادہ سی تھی۔ کسی بھی قسم کی پراگندہ سوچ سے پاک اور اس کے دل کی یہ پاکیزگی اس کی آنکھوں سے چھلکے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔

اسے اپنے لڑکی ہونے کا پوری طرح احساس تھا۔ اپنے باپ کی فخر سے اکڑی گردن میں اس کے اچھے کردار کی جھلک نمایاں تھی۔ اماں کی محبت میں اس کے لئے مان ہی مان تھا۔ بھیا کی خودداری میں اس کی شرافت شامل تھی۔

وہ اپنے ماں باپ کے اعتماد کو اپنی اناء اور اپنے نفس کے ہاتھوں کوئی ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ان کا سر بلند دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بیٹی کا اٹھا ایک...... صرف ایک غلط قدم ماں باپ کو ذلت کی موت مار دینے کے لئے کافی ہوتا ہے اور وہ......

وہ تو ان کی موت کا بھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کجا کہ ذلت کی موت۔

وہ سکول سے کالج میں پہنچ گئی تھی مگر آج بھی اماں خود اس کے بیگ میں ایک ایک کتاب کو اور ایک ایک نوٹ بک کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد

READINGCORNER http://readingcornerpk.blogspot.com/

مطمئن ہو کر بیگ بند کرتیں نہ صرف یہ بلکہ جب وہ سکول یا کالج سے واپس آتی تو اماں فوراً چیک کر اس کا بیگ سنبھالتیں اور پھر کھول کر نہ جانے کیا کرتیں اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ مگر اسے اتنا علم ضرور تھا کہ اماں اس کی بہت پرواہ کرتی ہیں۔ اسے شروع سے ہی اماں کی یہ عادت بہت بھلی لگتی تھی۔ جب کہ بابا اسے کبھی بھی اکیلے کہیں بھیجنے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ اسے خود کالج چھوڑ کر آتے اور اگر خود نہ جا سکتے تو بھیا کو حکم صادر کرتے۔

بلکہ ایک دفعہ تو اس کے ایف اے کے پیپرز شروع ہونے والے تھے۔ وہ بری طرح تیاری میں مصروف تھی۔ تب ہی اچانک پہلے پیپر میں اماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو وہ روہانسی ہونے لگی۔

اماں دوسرے سنٹرز میں ہونے والے میٹرک اور فرسٹ ائیر کے تمام پیپرز میں خود اس کے ساتھ جاتیں اور تین گھنٹے تک امتحانی سنٹر سے باہر بیٹھی رہتیں۔ اب اسے اتنی عادت ہو چکی تھی کہ وہ اماں کی اچانک طبیعت کی خرابی کے باعث پریشان ہو گئی تھی۔

''چلو ہادیہ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔''

دادی جو کافی دیر سے یہ واویلا سن رہی تھیں۔ اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئیں۔ تو وہ بھی قدرے مطمئن ہو گئی۔

''چلیں اماں میں تو تیار ہوں۔'' وہ اندر آتے ہوئے اماں سے مخاطب ہوئی تو اماں بھی تقریباً تیار ہی تھیں سو اس کے ساتھ باہر نکل پڑیں۔

ان سب کے امتحانات ختم ہو چکے تھے۔ اسی لئے سب نے باری باری اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام کیا تھا کہ پھر اس کے بعد کسی کا شمالی علاقہ جات میں چھٹیاں منانے کا پروگرام تھا تو کسی کا دوسرے شہر اپنے عزیزوں کے ہاں جانے کا ارادہ تھا۔

تاہم ان کا ارادہ تھا کہ جانے سے پہلے ایک دوسرے کے گھر ضرور جانا چاہیے۔ پھر پتہ کب ملاقات ہو۔ وہ اپنی تمام فرینڈز کو اپنے گھر دعوت دے چکی تھی اور آج روزینہ کے گھر سب مدعو تھے۔

وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں اماں اور روزینہ کی والدہ بھی وہیں ایک دوسرے سے باتوں میں محو تھیں۔ باتوں کے دوران وقفے وقفے سے اماں ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں بھی حصہ لیتی رہتیں۔

روزینہ کی والدہ نے کئی بار اماں کو اپنا پورا گھر دکھانے پر اصرار کیا مگر اماں وہاں سے ہل کر نہ دیں اور مختلف حیلے بہانوں سے ٹالتی رہیں۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد انہیں باتھ روم جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجبوراً انہیں اٹھنا ہی پڑا۔

''ہادیہ میں تو تمہیں مشورہ دیتی ہوں بھئی کہ تم اپنے لئے کچھ گارڈز تعینات کرالو۔ کیا فائدہ گھر والوں کو اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرنے کا۔''

روزینہ جو اب تک اس کی دادی کو نہیں بھولی تھی اب اماں کو اس کے سر پر مسلط دیکھا تو تپ کر بولی۔

''تمہیں پتہ ہے ارم یہ موصوفہ اپنے گھر والوں کے بغیر ایک قدم بھی باہر نہیں رکھ سکتیں۔''

روزینہ نے ارم کو اپنے ساتھ شامل کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے روزینہ، اصل میں مجھے اکیلے جاتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

''تو میں تمہیں اکیلا گھر سے نکلنے کو تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ میرا مطلب تھا کہ تمہارے بابا یا تمہارے بھیا بھی تو تمہیں ڈراپ کر سکتے ہیں۔''

اس کی بات پر وہ محض خاموش رہی۔

''ہادیہ مانا کہ تم بہت خوبصورت ہو بلکہ بہت زیادہ خوبصورت ہو اور یہ سب وہ تمہاری حفاظت کے لئے کرتے ہیں لیکن یار اعتماد بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے اور پھر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ فرینڈز کے درمیان بھی مائیں موجود ہوں۔ بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہم جھجک کے مارے کھل کر ان کے سامنے نہیں کر سکتے۔ ایسے میں ماؤں کو ہی اس بات کا احساس کرنا چاہیے ناں اور ویسے بھی ہم کون سا دنیا سے ہٹ کر کوئی نایاب گفتگو کرتے ہیں۔ وہی گنے چنے ٹاپک ہی تو ہوتے ہیں فیشن، فلمیں، میوزک اور گلیکشنز اور اسٹڈیز وغیرہ۔'' ارم نان اسٹاپ بولتی چلی گئی۔

''اور تو اور بلکہ.....'' روزینہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی کہ واش روم کا دروازہ کھلتا دیکھ کر فوراً چپ ہو گئی۔ تھوڑی دیر مزید وہاں بیٹھنے کے بعد اتنے ہی اطمینان کے ساتھ وہ گھر واپس لوٹ آئی جتنے اطمینان کے ساتھ گئی تھی اور وہ مطمئن صرف اس لئے تھی کہ اس نے اپنی دوستوں کی کہی گئی کسی بھی بات کا برا نہیں مانا تھا۔ برا منانا تو دور کی بات اس نے ان کی ان بے سروپا باتوں پہ کوئی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اب ان سب کو کیسے بتاتی کہ جب سارے گھر والے اس کا اتنا خیال رکھتے تھے تو وہ غیر محسوس ہواؤں میں خود کو کتنا اونچا اڑتا محسوس کرتی تھی۔

اماں، بابا اور بھیا اس کی اس طرح حفاظت کرتے تھے جیسے وہ کسی سلطنت کی راج کماری ہے، جسے کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا اور اگر کبھی اکیلا چھوڑ دیا تو کوئی کالا دیو اس کو دبوچ لے گا۔

بس وہ یہی سب سوچ سوچ کر نہال ہوتی رہتی تھی۔

''ارے بھابھی آپ؟'' وہ کپڑے سکھانے کے لئے چھت پر پھیلانے آئی تھی۔ جب بھابھی اس کے پیچھے پیچھے اوپر ہی آ گئی تھیں۔

''آپ کو ڈاکٹر نے منع کیا تھا ناں سیڑھیاں چڑھنے سے۔ پھر کیوں آئیں آپ؟'' وہ تار پر کپڑے ڈالنا بھول گئی تھی۔ جب کہ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں اور بولیں۔

''آئی کہاں ہوں بھیجی گئی ہوں۔'' وہ کپڑے پھیلانے کے لئے مڑ چکی تھی تب ہی ان کی بات کو اچھی طرح سن نہیں پائی۔

''بھابھی میں پھوپھو کب بنوں گی؟'' تھوڑی دیر بعد وہ کپڑے چھوڑ چھاڑ کر ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ کر رازداری سے بولی۔

''اتنی بے صبری کیوں ہو رہی ہو؟ بس تھوڑا سا انتظار کر لو۔'' بھابھی نے محبت سے اس کے سر پر چپت لگا کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کپڑے پھیلا کر نیچے جا چکی تھی جب بھابھی اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔

''بابا ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' وہ ان کے قدموں کے پاس ان کے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔

''ہوں، پوچھو۔'' بابا مصروف سے انداز میں کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے بولے۔

''بابا میرا کالج میں یہ آخری سال ہے۔ کیا آپ مجھے آگے پڑھنے کی اجازت دیں گے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں، اگر ہماری بیٹی پڑھنا چاہے گی تو بالکل اجازت دیں گے۔'' انہوں نے نہایت آرام سے جواب دیا۔

''سچ بابا! تو کیا میں یونیورسٹی جا سکتی ہوں؟'' ان کے جواب پر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

وہ یہ تو جانتی تھی کہ بابا اس کے آگے پڑھنے

READING CORNER
http://readingcornerpk.com/

سے منع نہیں کریں گے مگر اتنی جلدی مان جائیں گے۔ اس بات کا اسے یقین نہیں تھا۔

"یونیورسٹی؟" انہوں نے کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھتے ہوئے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی بابا! ماسٹرز تو یونیورسٹی سے ہی ہوتا ہے ناں۔" اس کی آنکھوں کی چمک بابا کے سخت لہجے میں کہیں کھو سی گئی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ ماسٹرز صرف یونیورسٹی سے ہوتا ہے۔ پرائیویٹ بھی تو ہوتا ہے۔ تم پرائیویٹ کر لینا۔" انہوں نے اتنا کہہ کر گویا بات ختم کر دی تھی اور اب دوبارہ کتاب اٹھا کر اس کے مطالعے میں مصروف ہو چکے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اب جا سکتی ہے۔

لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مزید بولی۔

"بابا میری ایک سہیلی ہے ثمرہ، اس کی بڑی بہن بھی یونیورسٹی جاتی ہے۔ ثمرہ بھی کئی مرتبہ اپنی بہن کے ساتھ وہاں جا چکی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ یونیورسٹی بہت بڑی ہوتی ہے بڑی بڑی عمارتوں پر مشتمل کئی ڈیپارٹمنٹس ہوتے ہیں جو......"

"تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟" انہوں نے چشمے کو اتار کر اس کی طرف سخت نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو، اگر تم نے آگے پڑھنا ہے تو گھر بیٹھ کر پڑھ لینا ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے مزید پڑھنے کی۔"

وہ اس قدر کڑوے لہجے میں بول رہے تھے کہ وہ یونیورسٹی جانے کا اشتیاق جو اس کے لہجے سے چھلک رہا تھا کہیں گم سا ہو گیا تھا۔

"ویسے بھی شریف خاندانوں کی لڑکیاں یونیورسٹی نہیں جایا کرتیں۔" وہ مزید بولے۔

"وہاں ہوتا ہی کیا ہے سوائے ہلہ گلہ کرنے کے۔ آئندہ میں تمہیں دوبارہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے نہ سنوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو تمہاری دادی نے کتنی مخالفت کی تھی جب میں نے تمہیں کالج میں ایڈمشن لے کر دیا تھا اور میں نے ان کی مخالفت مول لے کر تمہیں کالج بھیج دیا تھا لیکن اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم وہاں سے یہ فضول باتیں سیکھ کر آؤ۔"

انہوں نے ایک لمبا سا لیکچر جھاڑا تو وہ خود کو برا بھلا کہنے لگی جس کو نجانے اچانک کہاں سے یونیورسٹی جانے کا شوق چرایا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ مگر اس کا دل عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا۔ بابا خود اتنے تعلیم یافتہ ہو کر اتنی پسماندہ سی سوچ رکھتے تھے۔

وہ ذہن میں در آنے والی سوچ کو جھٹک کر دوبارہ اپنی زندگی میں مصروف ہو گئی تھی۔

آج ذیشان بھائی کے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ پھپھو نے اسے ایک دن پہلے ہی بلوا بھیجا تھا مگر کالج میں فائنل ٹرم کی تیاری کے سلسلے میں ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دن پہلے تو نہ جا سکی۔ ہاں البتہ صبح ہی اماں اور بھابھی کے ساتھ ان کے گھر جا پہنچی تھی۔

"السلام علیکم! پھپھو۔" وہ احد کے ساتھ مصروف تھیں جب اس نے پیچھے سے جا کر ان کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے ایک زوردار سلام جھاڑا تو انہوں نے خوشی سے مڑ کر اسے فوراً اپنے گلے سے لگا لیا۔

پھر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے خفگی سے بولیں۔

"جاؤ میں تم سے بات نہیں کرتی۔ اپنی پھپھو کا ذرا بھی خیال نہیں ہے تمہیں۔ ہفتوں گزر جاتے ہیں یہ موہنی سی صورت دیکھے ہوئے مجھے۔"

ان کے لہجے میں اس کے لئے چاشنی ہی چاشنی تھی۔ اسے شروع سے ہی اپنی یہ اکلوتی پھپھو بے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

حد پسند تھیں۔

وہ بے حد نفیس اور سادہ سی خاتون تھیں۔ اپنی طبیعت میں ملنساری کے باعث پورے خاندان میں مشہور تھیں اور اس سے تو انہیں ٹوٹ کر محبت تھی۔

''ارے پھپھو ابھی تین دن پہلے ہی تو آپ ہمارے گھر آئی تھیں۔ آپ کے ہفتے تین دنوں پر مشتمل ہوتے ہیں کیا؟'' اس نے مسکرا کر نہایت رازداری سے ان کے کان کے قریب جا کر آخری بات کہی تو وہ بے اختیار ہنس پڑیں۔

''چل پگلی، تمہیں کیا پتہ۔'' وہ محبت سے اس کی ٹھوڑی چھو کر بولیں۔ تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ سارا دن سائرہ بھابھی کے ساتھ کچن میں مختلف انواع و اقسام کی ڈشز بنانے میں مصروف رہی تھی۔

''جائیے بھابھی آپ جلدی سے تیار ہو جائیے اور مہمانوں کو ایک خوبصورت سی مسکراہٹ کے ساتھ ریسیو کیجیے۔''

وہ دروازے سے اندر داخل ہوتے مہمانوں کو دیکھ کر ان کے ہاتھ سے چمچ لیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی تو وہ مسکرا کر اسے ضروری ہدایات دیتی باہر نکل گئیں۔ تمام انتظامات ڈائننگ روم میں کیئے گئے تھے۔ خوش گپیوں کے دوران وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا وہ سائرہ بھابھی کے ساتھ مل کر میزبانی کے فرائض سرانجام دیتی رہی تھی۔

''ہادیہ کچن سے کسٹرڈ کا باؤل لیتی آنا۔'' وہ کھانا کھلا کر فارغ ہونے کے بعد ٹیبل پر سے برتن اٹھا کر باہر نکل رہی تھی۔ جب سائرہ بھابھی نے اسے پیچھے سے آواز دے کر کہا تو وہ ''جی اچھا'' کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''تمہیں اتنا تو احساس ہونا چاہیے ریان، گھر میں تمہارے بھتیجے کی سالگرہ منائی جا رہی ہے اور تم ہو کہ تمہارا کچھ اتا پتہ ہی نہیں ہے۔ اتنی بھی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔''

وہ کچن کی طرف جا رہی تھی جب چھوٹے کمرے سے پھپھو کی خفگی بھری آواز سنائی دی۔

''سوری امی میں ایک ضروری کام میں پھنس گیا تھا۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سا بولا۔

کچن میں اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''تمہیں روز ہی ضروری کام پڑ جاتے ہیں کبھی گھر کی بھی خبر رکھ لیا کرو۔ کھانا کھایا ہے تم نے؟''

پھپھو اسے ڈانٹتے ڈانٹتے یکدم محبت سے بولیں تو وہ پھپھو کی اس عادت کے سو بار واری صدقے گئی جو بہت غصے کو بھی محبت میں ڈھال کر پیش کیا کرتی تھیں۔ وہ کچن میں کھڑے کھڑے مسکرا دی۔

''نہیں امی مجھے بھوک نہیں ہے۔ تھوڑی دیر تک کھاؤں گا۔ میں ذرا احد کو اس کا گفٹ دے آؤں۔'' وہ ان سے کہہ کر باہر نکلا تو پھپھو بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لیں۔

وہ سب کو سویٹ ڈش سرو کر رہی تھی جب اس نے خود پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کی۔ مگر اس نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔

وہ کچن میں سب کے لئے چائے بنا رہی تھی۔ جب اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ کچن کے دروازے کے بالکل درمیان میں ایستادہ تھا۔

''ہادیہ ایک کپ چائے ملے گا۔'' وہ اندر آتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''ہاں، ابھی دیتی ہوں۔'' وہ کیتلی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔

وہ وہیں ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گیا اور اس کی پشت کو تکنے لگا۔

http://readingcornerpk.blogspot.com/

اس کے لمبے خوبصورت بال کلپ کی قید میں سفید دوپٹے کے پیچھے سے بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ اسے چائے کا کپ دے کر ابھی مڑی ہی تھی کہ اس کی آواز پر چونک سی گئی تھی۔

''ہادیہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ باآسانی اس کے بدلتے لہجے کو محسوس کر سکتی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ ناسمجھ تھی اور اس کی نظروں کو سمجھ نہیں سکتی تھی بلکہ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اب سے پہلے وہ صرف اس لئے مطمئن تھی کہ اس نے کبھی اس سے کچھ بھی کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بس اس کی نظروں میں ہی ایسا کچھ ہوتا تھا کہ وہ فوراً نظریں جھکا لیتی تھی اور اسے اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ اس نے کبھی کوئی تھرڈ کلاس حرکت نہیں کی تھی۔ سو وہ اسے نظر انداز کر جاتی تھی۔

لیکن آج..... آج وہ کیا کہنے جا رہا تھا۔ یکدم اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا لمحہ آئے جس سے وہ ہمیشہ بچتی آئی تھی۔ تب ہی اس نے چائے کی ٹرے اٹھائی اور جانے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ وہ بالکل اچانک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ہادیہ پلیز صرف ایک دفعہ میری بات سن لو، میں تم سے.....''

''پلیز ریان میں تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتی، راستہ چھوڑو میرا۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سخت لہجے میں بولی۔ مگر وہ وہیں کھڑا رہا۔

''ہادیہ میں تم سے.....''

''میں نے کہا ناں راستہ چھوڑو میرا۔'' اب کی بار اس کے لہجے میں مزید سختی در آئی تھی۔

وہ بادل نخواستہ سائیڈ پر ہو گیا تو وہ آگے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ مگر پھر یکدم رک گئی۔ اس بالکل سامنے صوفیہ بھابھی کھڑی تھیں۔ جب کہ وہ بھابھی کو دیکھ کر فوراً کچن سے باہر نکل گیا۔

''ہادیہ ریان نے تم سے کچھ کہا یا کیا کہنا چاہا، اس کا ذکر اماں سے مت کرنا۔'' وہ اس کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے لیتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

''کیوں بھابھی؟'' اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''بس منع کر رہی ہوں ناں کہ مت کہنا۔'' اس کی ناسمجھی پر وہ سختی سے بولیں تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ کالج کی لائبریری میں بیٹھی تھی جب اچانک باہر اسے بھگدڑ سنائی دی۔ وہ کتاب بند کر کے اپنا بیگ سنبھالتی ابھی اٹھی ہی تھی کہ ارم پھولی پھولی سانسوں سمیت اس کے پاس آئی۔ وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

''ہادیہ شہر کے ایک علاقے میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔ جس کے باعث مشتعل لوگ سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور توڑ پھوڑ کر رہے ہیں۔ پرنسپل کے مطابق ان کا ہدف سکول اور کالج بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ہنگامی صورتحال سے بچنے کے لئے کالج خالی کرنے کا آرڈر دیا ہے۔ تمام گرلز اپنے اپنے گھروں کو جا رہی ہیں۔ تم بھی آ جاؤ فوراً۔'' وہ اس کی بات سن کر خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ وہ سراسیمہ سی کالج کے گیٹ تک جا پہنچی جہاں لڑکیاں جلد سے جلد کالج بس میں بیٹھنے کی خاطر ایک دوسرے کو دھکے دینے سے بھی گریز نہیں کر رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں کالج کی چاروں بسیں گیٹ عبور کر گئی تھیں۔ جب کہ پانچویں بس میں بھی دھکم پیل شروع ہو چکی تھی۔ تب ہی ایک ٹیچر نے اسے بھی جلدی سے بس میں چڑھ جانے کو

کہا۔

مگر اس کے باقی ماندہ حواس ہی اڑ گئے تھے۔ وہ کبھی اکیلی گھر نہیں گئی تھی۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسے لینے آتا تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ بس بھی کالج کا گیٹ کراس کر چکی تھی۔

تب ہی ایک پیون نے کالج میں رہ جانے والی لڑکیوں کو پوائنٹ سے چلے جانے کا کہا۔ جس کو سن کر وہ مزید پریشان ہو گئی۔

وہ ڈری ڈری سی واچ مین کے پاس آئی اور اپنے لہجے کی کپکپاہٹ کو کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

"خان بابا! مجھے تو بھائی لینے آتے ہیں۔ میں اکیلے گھر کیسے جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

خان بابا اسے پچھلے چار سالوں سے دیکھتے آ رہے تھے۔ وہ کبھی کالج اکیلے نہ آئی تھی اور نہ ہی گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس کو لینے کے لیے بھی گھر والوں کی طرف سے دیر بھی ہو جاتی تو وہ گیٹ کے قریب بنے ویٹنگ روم میں گھنٹوں ان کے آنے کا انتظار کرتی رہتی تھی۔

اکیلے جانے کا تصور بھی اس کے لئے محال تھا۔

خان بابا نے لبالب آنسوؤں سے بھری اس کی آنکھیں دیکھیں پھر نرمی اور شفقت سے بولے۔

"بیٹی شاید انہیں پتہ نہیں ہو گا کہ کالج آف کر دیا گیا ہے اور ویسے بھی تمام راستے بلاک ہیں۔ انہیں فون کر کے بلایا بھی جائے تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی کیونکہ حالات مزید خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ تم انہیں لڑکیوں کے ساتھ پوائنٹ تک چلی جاؤ پھر وہاں سے وین میں بیٹھ کر گھر چلی جانا۔ تھوڑی دیر بعد ٹریفک بالکل جام کر دیا جائے گا۔ تب مزید مشکل ہو جائے گی تمہارے لئے۔"

انہوں نے اسے تفصیلاً سمجھایا تو اس نے تشکرانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا اور گیٹ سے باہر بھاگتی لڑکیوں کے ساتھ ہو گئی۔ وہ مختلف آیتوں کا ورد کرتی بس میں چڑھ گئی تھی۔

سڑکوں پر کئی نوجوان لڑکے ٹولیوں کی صورت میں ہاتھوں میں لاٹھیاں اور بینر پکڑے احتجاجاً ادھر سے ادھر گشت کر رہے تھے۔ بہت دور سے آتی فائرنگ کی آواز پورے جسم میں ایک سنسنی سی پیدا کر رہی تھی۔ وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گئی۔

جیسے ہی بس صدر ایریا میں پہنچی تو پولیس کے ایک دستے نے بس کو آگے بڑھانے سے روک دیا۔

"یہاں سے راستہ بند ہے، آگے گاڑی نہیں جا سکتی۔ سب یہیں اتر جائیں اور جس نے صدر تک جانا ہے وہ پیدل آگے تک چلے جائیں۔ جلدی کریں۔" ڈرائیور نے اطلاع دیتے ہوئے مشورہ بھی دیا تو جن لڑکیوں کے گھر صدر سے پہلے تھے وہ سڑک کراس کر کے مختلف گلیوں کی جانب تیزی سے بڑھ گئیں جب کہ وہ ان تین چار لڑکیوں کے پیچھے پیچھے چل پڑی جو صدر کی طرف جا رہی تھیں۔ پوری سڑک پر ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ دوپہر کے بارہ بجے ہی رات جیسی گھمبیر خاموشی ہر سو طاری تھی۔

ہر قدم پر پولیس ہاتھوں میں گن لیے چاق و چوبند کھڑی تھی۔ جب کہ وقفے وقفے سے آتی فائر بریگیڈ اور ایمبولینس کے ہارنز کی آوازیں پورے ماحول کو خوفزدہ کر رہی تھیں۔ پولیس نے پورے ایریا کو کور اپ کر رکھا تھا۔

دور سے اٹھتے دھوئیں میں نجانے کس کس کی جلتی ہڈیوں کی سیاہی شامل تھی، سینکڑوں ارمانوں کے بجھتے دلوں کا دھواں شامل تھا۔ کس

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

کس کے دل کا قرار فضا میں بھک سے اڑ رہا تھا۔

یہ سارا منظر اس کی آنکھیں بھگو گیا تھا۔ کچھ دیر تک تو اس کی صرف یہی خیال ستا رہا تھا کہ وہ اکیلی کیسے گھر پہنچے گی مگر اب وہ اٹھتے ہوئے اس دھوئیں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ جو کتنے ہی آشیانوں کو جلا کر اپنا وجود قائم کیئے ہوئے تھا۔

اچانک مشتعل افراد کا ایک بہت بڑا گروہ ہاتھوں میں لاٹھیاں، لوہے کی سلاخیں اور رائفلز لئے پولیس کو پرے دھکیلتے ہوئے پوری سڑک پر پھیل گیا تھا اور کھلی دکانوں کو توڑ پھوڑ کا نشانہ بنانے لگے تھے۔ پیدل چلنے والے افراد میں یکدم بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگوں نے جلد از جلد اپنی دکانیں بند کرنا شروع کر دیں۔

مشتعل افراد توڑ پھوڑ کے ساتھ ساتھ حکومت اور علاقے کی منتظمین کی نااہلی کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ جن کی لاپرواہی اور بہتر انتظام نہ ہونے کے باعث صدر میں واقع ایک بلند و بالا اور تجارتی مرکز میں بم بلاسٹ ہوا تھا۔ توڑ پھوڑ اور بدعنوانی کرنے والے افراد میں زیادہ تر نوعمر اور نوجوان ہی شامل تھے۔ وہ ہر نقصان سے بیگانہ ہو کر اپنے غصہ اور بھرپور نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔ پیدل چلنے والے کئی افراد مرد، عورت اور بچے ان کی نفرت کی بھینٹ چڑھ کر زخمی بھی ہو چکے تھے۔ پولیس بے بسی کے عالم میں ان کو روکنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

وہ پانچوں منٹ پاتھ پر تیز تیز چل رہی تھیں۔ جب کئی افراد نے فٹ پاتھ کی ایک جانب ترتیب سے بنیں دکانوں پر حملہ کر دیا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنے آپ کو بچاتیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔ تو وہ ایک بار پھر سہم کر دکان کے ساتھ بنی ایک تنگ سی گلی کے نکڑ پر جا کھڑی ہوئی۔ اس کا بیگ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں گر گیا تھا۔

لوگوں کی آہ و بکا سے فضا میں ارتعاش سا پیدا ہو رہا تھا۔ چاروں طرف چیخ و پکار تھی۔ بہت سے افراد ایسے تھے جو ان کے غصے اور نفرت کی زد میں آ کر سڑک پر تڑپ رہے تھے۔ پوری سڑک پر ٹائرز اور گاڑیاں جلانے کے باعث ایک غیر مانوس سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا مشکل لگ رہا تھا۔ اس کا دل اس سارے منظر کو دیکھ کر پھٹنے لگا تھا۔ وہ افسوس، تاسف اور حیرت کے اس مقام پر کھڑی تھی جہاں کھلی آنکھیں پانیوں سے بھر جاتی ہیں۔ جہاں لب کچھ کہنے سے پہلے بند ہو جاتے ہیں جہاں دماغ سن ہو جاتا ہے۔

وہ اس وقت صدر میں موجود اپنے دوست کی کمپیوٹر لیب میں بزی تھا۔ جس وقت اس نے صدر میں ہی ہونے والے ایک بم بلاسٹ کی خبر سنی تھی۔ خوش قسمتی سے یہ کمپیوٹر لیب اس تجارتی مرکز سے بہت دور واقع تھی لیکن اچانک ہی بھگدڑ مچ جانے کی وجہ سے وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر صدر سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

سخت سیکیورٹی کے باعث اسے وہاں سے نکلنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ مظاہرہ کرنے والے افراد کے باعث چاروں طرف افراتفری کا سا عالم تھا۔ اسی اثناء میں اس کی نظر گلی کے ایک نکڑ پر کھردری دیوار سے ٹیک لگائے روتی ہوئی ہادیہ پر جا پڑی۔ اسے اس وقت یہاں دیکھ کر ایک لمحے کو تو وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا مگر پھر اگلے ہی پل اسے کالج یونیفارم میں دیکھا تو پریشان پریشان سا بے ساختہ اس کی جانب دوڑ پڑا۔

سڑک پر ہونے والی تمام کاروائی سے بے

نیاز وہ دیوانہ وار لوگوں کے اژدھام کو چیرتا ہوا اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہادیہ۔"

اس نے نہایت بے تابی کے عالم میں اسے پکارا۔ تو وہ جو آنکھیں بند کیے خوف زدہ سی رونے میں مصروف تھی۔ ایک مانوس سی آواز پر جھٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

کتنا عجیب ہوتا ہے ناں یہ احساس کہ جس شخص کو ہم کبھی نہ دیکھنے کی آرزو کریں اور نہ اس سے بات کرنے کی۔ پھر اچانک وہی ہماری ہر تکلیف کا مداوا کرنے آ جائے۔ تو وہی شخص کسی مسیحا سے کم نہیں لگتا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اسے دیکھتے ہی وہ اپنی ساری کلفت بھول گئی تھی۔ اس کی آواز اس کے اعصاب پر نرم پھوار بن کر برس پڑی تھی۔ اجنبی لوگوں کی اس بھیڑ میں ایک شناسا چہرہ ذہن کو کتنی تقویت دیتا ہے، دل کو کتنی راحت پہنچاتا ہے۔ اس کا اندازہ اسے آج ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں، اس کا کپکپاتا وجود اس کی لرزتی روح کیسے یکدم شانت سی ہو گئی تھی۔ اس نے بھیگی مگر مطمئن آنکھوں سے بس ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

"جہاں جہاں میں اسے ڈھونڈ سکتا تھا میں نے ڈھونڈا ہے اماں۔ اب اور بتائیں کیا کروں میں؟"

بھیا ہر جگہ اسے تلاش کر کے ابھی ابھی گھر آئے تھے۔

انہیں اکیلا آتا دیکھ کر اماں دھاڑیں مار مار کر رونے میں مصروف ہو چکی تھیں۔ رات کے نو بج چکے تھے اور اس کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

"اگر وہ کالج سے پہلے ہی نکل چکی تھی تو اسے سیدھا گھر آنا چاہیے تھا۔ اس کی ساری دوستیں بھی تو گھر پہنچ چکی ہیں تو پھر وہ کہاں ہے؟"

بھیا غصے کے عالم میں زور زور سے بول رہے تھے۔

"کیا معلوم کسی مشکل میں پھنس گئی ہو اس حادثے کی وجہ سے۔" بھابھی نے ڈرتے ڈرتے کہا مبادا کہیں بھیا برس ہی نہ پڑیں اور بالکل ایسا ہی ہوا۔

"تمہاری عقل تو جانے کہاں سوئی ہوتی ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اس کی دوستیں ضرور بتاتیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی کالج سے نکلی تھی۔ پھر کہاں گئی؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔" بھابھی خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

"ارے میں تو پہلے ہی کہتی تھی زمان، لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ لڑکیاں تو مچھلیاں ہوتی ہیں جیسے ہی پانی کو دیکھا جھٹ تیرنے کے لئے بے تاب ہونے لگتی ہیں۔ لاکھ بار منع کیا تھا میں نے کہ کالج میں نہ بھیجو اسے، نجانے کیا ہوتا ہے اس نام نہاد جگہ میں کہ جہاں جانے سے لڑکیوں کے پر ہی نکل آتے ہیں نہ اپنی عزت کا سوچتی ہیں نہ اپنے باپ کی۔ ارے مجھے تو لگتا ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی چکر وکر ہے، موقع دیکھا اور اڑ گئی۔"

دادی کی بات سن کر سب کو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔ جب کہ اماں تو دل ہی پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"آج اگر وہ آ بھی گئی تو میں اسے گھر میں گھسنے نہیں دوں گا۔" بھیا دادی کی بات سن کر مزید سیخ پا ہو گئے تھے۔

"واقعی اتنی ڈھیل نہیں دینی چاہیے تھی مجھے۔" بابا کی آواز شرمندگی کے باعث پست ہو رہی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''میں، میں کہاں ہوں؟ اور آپ؟''
وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے مستقل بے ہوش تھی اور اب ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے اردگرد کا مکمل طور پر جائزہ لیا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

یہ اس کے لئے بالکل اجنبی جگہ تھی۔ خوبصورت اور آرام دہ بیڈ روم دنیا کی ہر آرائش سے مزین تھا مگر وہ فکرمندی کے باعث کمرے کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکی۔

''تم میرے گھر پر ہو اور میں ڈاکٹر زارا ہوں۔''

ایک اسمارٹ اور خوبصورت سی لڑکی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تو وہ حیران حیران سی اس کے بڑھے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا جب کہ نظریں سوالیہ انداز میں اس کے چہرے پر ہی مرکوز تھیں۔

''میں نے سنا ہے تم بہت نازک ہو، بالکل کسی صاف شفاف آئینے کی مانند۔'' وہ بلا تکلیف اس سے باتیں کر رہی تھی جب کہ وہ اب تک اسی الجھن میں تھی کہ وہ اسے کیسے جانتی ہے اور یہ کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسے دن میں ہونے والے سانحہ یاد آیا تو ایک سنسنی سی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے ریان کو دیکھا تھا مگر اب..... اب کہاں ہے وہ؟ اس نے پریشانی کے عالم میں کمرے کے چاروں طرف دیکھا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ تب اس نے پاس ہی کھڑی زارا کی طرف دیکھا جو مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ریان کہاں ہے؟'' اس کے لہجے میں واضح پریشانی تھی۔

''وہ یہیں مارکیٹ تک گیا ہے تمہاری کچھ میڈیسنز لینے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''لیکن مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا بس تھوڑی سی کمزوری ہے تم کھانا کھا لو تب تک ریان بھی آ جائے گا اور ہاں.....'' وہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔

''ایسے واقعات تو اس شہر میں نجانے کتنی مرتبہ ہو چکے ہیں۔ پھر تم اتنی خوفزدہ کیوں تھیں؟'' وہ دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دوستانہ انداز میں بولی۔

''میں نے یہ سب پہلی مرتبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''بہرحال ہادیہ بہت زیادہ حساسیت بعض دفعہ ہمارے خود کے لئے بہت نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ آئندہ اپنا بہت خیال رکھنا اچھا۔'' وہ لفظ اپنا پر زور دے کر بولی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''سچ کہا ہے کسی نے تمہاری مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوری سچائی سے کہا تو وہ تعجب سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''کس نے کہا ہے آپ سے؟'' اس نے پوچھا۔

''ریان نے۔'' وہ اسے معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے بالکل غلط کہا تھا کیونکہ صرف تمہاری مسکراہٹ خوب صورت نہیں بلکہ تم بھی بہت خوب صورت ہو۔''

وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی تھی اور پھر صرف پانچ منٹ بعد ہی کھانے سمیت اس کے پاس بیڈ پر ہی براجمان ہو کر اس کے ساتھ کھانا کھانے لگی تھی۔

''زارا مجھے گھر جانا ہے اماں اور بابا بہت

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

پریشان ہوں گے۔''

رات کے گیارہ بج چکے تھے اچانک اسے تشویش نے آن گھیرا تھا۔ تب ہی وہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بولی تھی۔

''ہادیہ یہاں سے صدر جانے والے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ پولیس کا مکمل پہرا ہے سڑکوں اور گلیوں میں۔ ریان کئی مرتبہ وہاں جا کر دیکھ آیا ہے۔ اس علاقے میں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ویسے تمہارا گھر تو صدر سے آگے ہے ناں؟'' وہ بولتے بولتے رک کر پوچھنے لگی تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اب کیا ہوگا؟'' وہ یہ سوچ سوچ کر ہی پریشان ہوئی جا رہی تھی۔

''آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں؟'' وہ اس کے لئے چائے بنا رہی تھی جب اس نے سوال کیا۔

''نہیں میرے پاپا، میری ماما اور...... اور نبیل ہیں۔'' آخری نام لیتے ہوئے اس کے لبوں پر ایک انوکھی سی مگر خوبصورت سی مسکراہٹ در آئی تھی جسے اس نے کمال مہارت سے چھپالی تھی۔

''اس وقت کہاں ہیں وہ سب؟''

اسے گھر میں مبہم سی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کمرے کے علاوہ گھر کے کسی بھی حصے میں کوئی نفس موجود نہیں ہے۔

''پاپا کو بزنس کے سلسلے میں انگلینڈ جانا پڑ گیا تھا تو وہ ماما کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے کیونکہ وہاں ماما کی ایک بہن بھی رہتی ہیں اور وہ کافی عرصے سے ان سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ جب کہ نبیل اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''نبیل کون؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے ہسبنڈ ہیں۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے مگر رخصتی نہیں ہوئی اور میری رخصتی پتہ ہے کہاں ہوگی؟'' اس کے لہجے میں خوبصورت سے جذبے گھلے ہوئے تھے۔ اپنی فرینکلی نیچر کے باعث خاموش رہنا نہیں جانتی تھی تو راز داری سے بولی۔

''میرے ساتھ والا کمرہ ہے نبیل کا بس وہیں ہوگی۔'' اتنا کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی تو وہ بھی مسکرا دی۔

''ایکچوئیلی نبیل میرے فرسٹ کزن ہیں۔ انکل اور آنٹی کی ڈیتھ کے بعد پاپا نے ہی ان کی پرورش کی تھی تب ہی صاحب بہادر کو میں پسند آ گئی اور ماما، پاپا نے ہمارا نکاح کر دیا مگر اب وہ جناب کہتے ہیں کہ جب تک انہیں اس بات کا یقین نہیں آ جاتا کہ میں ایک بہت اچھی ڈاکٹر بن گئی ہوں وہ رخصتی نہیں کرائیں گے۔''

اس کے اس روٹھے روٹھے سے انداز پر وہ کھل کر مسکرا دی تو ساتھ ہی وہ بھی ہنس پڑی۔

''آپ ریان کو کیسے جانتی ہیں؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔

''ہم بہت پرانے دوست ہیں۔ کالج میں ہمارا پورا گروپ تھا۔ نبیل اور ریان تو سکول کے زمانے کے دوست ہیں لیکن میری ریان سے باقاعدہ دوستی کالج میں ہوئی تھی۔ ریان بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہے۔ اسی وجہ سے کالج میں اس کے نجانے کتنے دوست تھے۔ ہمارا پورا گروپ اس کی اس قدر دوستیوں سے اکثر خائف رہتا تھا۔ معلوم نہیں وہ ان سب سے توازن کیسے رکھ پاتا تھا۔ ایک مزے کی بات بتاؤں تمہیں۔ یونیورسٹی میں بھی نجانے کتنی ہی لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ مگر وہ کسی کو لفٹ ہی نہیں کراتا تھا۔'' ابھی وہ بول ہی رہی تھی جب وہ دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے اندر داخل ہوا تو پہلی نظر اس پر جا پڑی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

اب وہ پہلے سے کچھ بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے زارا کو میڈیسنز کا شاپر پکڑا دیا اور خود پاس پڑی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''ہادیہ یہ ٹیبلٹ لے لو۔'' اس نے چند ٹیبلٹس اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

''میرا کلینک گھر کی بیک سائیڈ پر ہے اگر تمہیں میری ضرورت محسوس ہو تو بلا جھجک انٹر کام سے مجھے بلا لینا اوکے۔'' اس نے جاتے جاتے ہدایت کی تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''مجھے گھر جانا ہے۔ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' زارا کے جانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''اس وقت بہت مشکل ہے ہادیہ، میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں پولیس نے ناکہ بندی کی ہوئی ہے پورے علاقے میں کوئی بھی سواری صدر میں داخل نہیں ہو سکتی۔'' وہ سنجیدگی سے ساری صورت حال بتا رہا تھا۔

جب کہ یہ سن کر اسے ہول اٹھ رہے تھے۔

اب وہ کیسے جا پائے گی؟

وہ کالج میں آنے سے پانچ منٹ بھی لیٹ ہو جاتی تھی تو اماں باقاعدہ رونا شروع کر دیتی تھیں اور دادی...... وہ تو پورے گھر میں واویلا مچانا شروع کر دیا کرتی تھیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بھیا یا بابا کی طرف سے اس کو لانے میں اکثر دیر ہو جاتی ہے تب بھی ان کی حالت خراب ہونے لگتی تھی لیکن اب...... وہ تو یہ سوچ سوچ کر ہی پریشان ہوں گے کہ شہر میں ہونے والے اس حادثے میں کہیں اسے کچھ ہو نہ گیا ہو۔

گھر والوں کی پریشانی کا اندازہ ہونے پر اس کا دل بھر آیا تھا۔

وہ کب سے اس کے صبیح چہرے پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اندر ہی اندر رو رہی ہو۔ اس کا چہرہ اس کے دل کی حالت کی غمازی کر رہا تھا۔

''دیکھو ہادیہ تم فکر مت کرو، تم جلد ہی گھر پہنچ جاؤ گی۔'' اس نے مزید اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی تھی تب ہی بول اٹھا۔

''اور کتنی جلدی پہنچوں گی میں گھر۔''

اس کی آنکھوں سے اب آنسو رواں تھے۔

''رات کے بارہ بج رہے ہیں، گھر پر سب کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے تم کیا جانو؟'' وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی۔

''ہادیہ میں نے تمہارے گھر فون کر کے انہیں مطلع کرنے کی کوشش بھی کی تھی کہ تم یہاں بالکل محفوظ ہو لیکن شاید تمہارا فون خراب ہے اور عاصم بھائی کا موبائل بھی آف ہے اسی لئے......''

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تقریباً چیختے ہوئے بولی تو وہ نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''نہ تم مجھے یہاں لاتے اور نہ یہ مصیبت کھڑی ہوتی۔'' وہ پریشانی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

''کیوں آئے تم وہاں اور پھر کیوں لے کر آئے مجھے یہاں، چھوڑ دیا ہوتا مجھے وہیں کیا ہوتا مر ہی جاتی ناں میں۔ کم از کم میرے گھر میری کوئی خبر تو پہنچتی۔''

''ہادیہ پلیز۔'' وہ دکھ سے بولا۔

کتنی بے دردی اور بے رحمی سے وہ یہ سب کہہ رہی تھی یہ جانے بغیر کہ وہ اس کے بے ہوش وجود کو کیسے یہاں تک لے کر آیا تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ...... کہ اسے ایک خراش بھی آئے۔

''میں ابھی اور اسی وقت گھر جاؤں گی۔'' یہ کہتے ہی وہ بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ وہ اس کے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

سامنے آ کھڑا ہوا۔

''پلیز ہادیہ! اس طرح کیسے جا سکو گی تم جب کہ وہاں کوئی ٹیکسی یا کوئی دوسری سواری بھی نہیں جا رہی۔''

''پیدل تو جا سکتی ہوں ناں میں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوفی سے بولی۔

''یہاں سے راستہ بہت لمبا پڑتا ہے کم از کم ایک گھنٹہ ضرور لگے گا تمہارے گھر تک پہنچنے میں اور اتنا زیادہ فاصلہ تم پیدل طے نہیں کر سکتیں۔''

وہ بالکل صحیح کہہ رہا تھا۔ مگر اس وقت اسے کچھ بھی نہیں سننا تھا۔ اس پر صرف گھر جانے کی دھن سوار تھی۔ حالانکہ اکیلے جانے کے تصور سے وہ اندر ہی اندر سے کانپ کر رہ گئی تھی۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا اطمینان بھی تھا کہ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔

''اگر تم پیدل نہیں چل سکتے تو مت چلو، میں خود چلی جاؤں گی۔''

اتنا کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔

''میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ ہادیہ۔''

پتہ نہیں اس کے لہجے میں کیا تھا وہ فوراً رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر آگے کی طرف بڑھ گیا تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ چلتے چلتے انہیں تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ وہ اسے گلیوں میں سے لے کر جا رہا تھا تاکہ شارٹ کٹ کی وجہ سے جلد سے جلد اسے گھر پہنچا سکے۔

''ہینڈز اپ۔'' وہ ایک تاریک گلی میں سے گزر کر روڈ کراس کر کے اگلی گلی تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جب دو کانسٹیبلز نے انہیں مشکوک سمجھ کر گھیر لیا۔

''کیا کر رہے ہو تم دونوں اس وقت؟'' ایک کانسٹیبل نے کرخت لہجے میں پوچھا تو وہ سہم کر اس کے پیچھے ہو گئی۔

''سر مجھے تو کوئی دوسرا معاملہ لگتا ہے۔'' دوسرے کانسٹیبل نے باری باری ان دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ان کی غلط فہمی دور کرنے کی خاطر بولا۔

''ہم غلط سمجھ رہے ہیں یا صحیح، یہ تو پولیس اسٹیشن جا کر پتہ ہی چلے گا۔''

''پلیز سر آپ..... آپ ہماری بات پر یقین کیجیے۔ ہم وہ نہیں ہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ ہمارا تعلق ایک شریف گھرانے سے ہے اور یہ میری کزن ہیں۔''

''اپنے تمام رشتے داروں سے پولیس اسٹیشن میں ملوانا، چلو یہاں سے جلدی۔''

دونوں کانسٹیبلز انہیں لے کر پولیس اسٹیشن جا پہنچے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں بابا، بھیا اور ذیشان بھائی انہیں ضروری کاغذی کارروائی کے بعد گھر لے گئے تھے۔

''ذیشان تم اس وقت میرے گھر آؤ اس کو لے کر۔'' بابا نے ریان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تو ذیشان بھائی اس کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چل پڑے۔

''کہاں لے کر گیا تھا تو میری بہن کو؟ بول ذلیل انسان۔'' گلی میں پہنچتے ہی بھیا اس پر جھپٹ پڑے تھے اور وہ اس اچانک افتاد پر حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''عاصم یہ بات گھر میں مل بیٹھ کر بھی پوچھی جا سکتی ہے۔''

ذیشان بھائی فوراً آگے بڑھے اور مصلحت سے کام لیتے ہوئے بولے۔

''یہاں محلے میں تماشا مت دکھاؤ۔''

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''تماشا تو اس نے بنایا ہے ہماری عزت کا۔'' بھیا نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔ ان کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ اس کو گریبان سے پکڑ کر مسلسل مارے جا رہے تھے۔

گلی میں ہونے والے اس شور شرابے نے محلے والوں کو تجسس کے عالم میں اپنے گھروں کی کھڑکیوں اور دروازوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ کچھ تو لطف اندوز ہو رہے تھے اور کچھ حیران پریشان سے اس صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال بھیا کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ پوری داستان سنانے کے لئے کافی تھے۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ عاصم بھائی۔'' وہ خود کو ان کے شکنجے سے بمشکل چھڑاتے ہوئے حیرت سے بولا تھا۔

''ریان تم گھر چلو میں ماموں جان سے بات کر کے آتا ہوں۔''

ذیشان بھائی فوراً آگے بڑھے اور بابا سے مخاطب ہوئے۔

''ذیشان میں تم سے صرف ایک بات کہہ رہا ہوں کہ ہمارا تعلق اس سے بالکل ختم ہے اور آئندہ ہمیں اس کی شکل دیکھنی نہ پڑے بس۔''

بابا قطعی انداز میں کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئے اور بھیا کو بھی اندر آنے کا اشارہ کر گئے تو وہ بھی اسے گھورتے ہوئے بولے۔

''جاؤ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اور پھر کبھی اس گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو ہڈیاں توڑ دوں گا تمہاری۔''

''چلو ریان۔'' ذیشان بھائی اسے لے کر گھر کی طرف چل پڑے۔

وہ دم سادھے باہر سے آتیں ان کی آوازیں سن رہی تھی۔

ایک عجیب سا خوف اس کے چاروں طرف منڈلا رہا تھا۔ وہ ابھی تک خود کو اس جھٹکے سے ہی نکال نہیں پائی تھی کہ بابا اور بھیا کے رویوں سے اس پر گھبراہٹ سی طاری ہو گئی تھی۔

بارہا اس کا دل چاہا کہ وہ باہر جا کر ان کی غلط فہمی دور کر دے مگر اماں اور دادی کی تیز اور چبھتی ہوئی نظروں کے باعث وہ ایک قدم بھی نہ اٹھا سکی تھی۔

اس سے آگے وہ کچھ بھی نہ سوچ سکی تھی۔ اس کا دل کسی پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور گھر کے کسی بھی فرد کا سوائے بھابھی کے اس سے کسی نے بات نہیں کی تھی۔ مگر بھابھی بھی سب سے نظر بچا کر اس سے بات کر لیتی تھیں۔

ڈرائنگ روم سے آتی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ سب وہیں موجود ہیں۔ وہ ان سے اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔

اس کے قدموں میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے آتے ہی سب خاموش ہو گئے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بابا کے سامنے مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرموں کی طرح کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اوپر اماں، بھیا اور دادی کی حقارت بھری نظروں کو محسوس کر سکتی تھی۔ مگر وہ سب کو نظر انداز کر کے گھٹنوں کے بل بابا کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

وہ گذشتہ کئی دنوں سے بابا کو اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر وہ اسٹور پر سے آتے ہی اپنے کمرے میں چلے جاتے اور وہ خود پر تاسف کرتی رہ جاتی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ بابا اسے سمجھ جائیں گے، اس کی مشکل کو جان جائیں گے۔

وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھے بابا کے

قدموں سے لپٹ کر زاروقطار رونے لگی تھی۔

''بابا، بابا پلیز مجھ پر اعتبار کریں میں نے کچھ نہیں کیا بابا۔ وہ تو اس دن کالج سے......''

''انیسہ بیگم اس سے کہو، مجھے اپنی منحوس صورت بھی نہ دکھائے، دفع ہو جائے یہ میرے سامنے سے ابھی اور اسی وقت۔'' وہ اماں کو مخاطب کرتے ہوئے حقارت سے بولے تو وہ سر اٹھا کر اپنے بابا جان کو دیکھنے لگی۔ جن کے بارے میں کچھ دنوں پہلے تک اس کے لئے محبت ہی محبت تھی۔ مگر آج اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

''اس نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا، پورے خاندان میں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے اس نے، ارے آج سے پہلے ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ رات کے ایک بجے پولیس اسٹیشن سے برآمد ہوئی ہے۔ پورے محلے اور خاندان میں تماشا بنا کر رکھ دیا ہے اس نے ہمارا۔''

''بس کیجیے بھائی صاحب، بس کیجیے۔'' پھپھو نہ جانے کب وہاں آئی تھیں اور ان کی بات سن کر ان سے رہا نہ گیا تھا۔ تبھی تیزی سے بولیں۔

''اپنی عزت کا تماشا تو آپ لوگ خود بنا رہے ہیں۔ پہلے پورے محلے والوں کے سامنے داستان کھول کر رکھ دی اور اب اس معصوم پر الزام لگا رہے ہیں آپ۔''

اس نے یاسیت سے سر اٹھا کر آنسوؤں سے بھری نظروں سے پھپھو کے مہربان چہرے کو دیکھا جو آج صرف اس کی خاطر بابا جان کے سامنے تیز لہجے میں بول رہی تھیں۔ کوئی تو تھا جو اس کو جانتا تھا۔ اسے سمجھتا تھا۔

''معاف کیجیے گا بھائی صاحب لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ لوگوں میں اتنی غیرت ہوتی، اتنی سمجھداری ہوتی تو کیا آپ گلی میں ہی کھڑے ہو کر اپنی بچی کے ساتھ آنے والے شخص کو برا بھلا کہتے، ہرگز نہیں۔ وہ آپ کا بھانجا ہی تھا ناں کوئی غیر تو نہیں تھا وہ، اسے اندر لے جا کر اس سے استفسار کیا جا سکتا تھا آخر کو آپ اس کے باپ جیسے ہیں چاہے جتنی ہی سختی سے پیش آتے آپ، وہ چوں بھی نہ کرتا اور گھر کی بات گھر میں ہی رہتی۔ کیوں اماں کچھ غلط کہہ رہی ہوں میں؟'' وہ بابا جان سے بات کرتے کرتے اچانک دادی کی طرف مڑیں تو وہ انہیں نظر انداز کر کے تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

''پھپھو سب ہی جانتے ہیں خاندان والے بھی اور باہر والے بھی کہ اس کا ریان کے ساتھ......'' بھیا مشتعل ہو رہے تھے۔ جب کہ وہ مزید بھڑک اٹھیں اور بولیں۔

''شرم کرو عاصم شرم۔ ارے تم بھائی ہو کر خود اپنی بہن کی طرف انگلی اٹھاؤ گے دوسرا تو اس کے گلے تک جا پہنچے گا۔ بھائی صاحب کیا یہی تربیت دی ہے آپ نے اپنے بیٹے کو۔''

''پھپھو بہت ہو گئی ہے۔'' بھیا کے آخری جملوں پر سیخ پا ہو گئے تھے۔

''اب میں اور برداشت نہیں کروں گا۔ میری تربیت جیسی بھی ہوئی ہے لیکن ریان کیا گل کھلاتا ہے باہر سب جانتا ہوں میں۔'' بھیا آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

''میرا بیٹا کیا گل کھلاتا ہے باہر میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں، ہاں ہوں میں اس کی ماں۔ ارے تم کیا بتاؤ گے میں تمہیں بتا دیتی ہوں کہ وہ سگریٹ پیتا ہے۔ رات کو دیر سے گھر آتا ہے۔ کئی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے۔ کہو تو ان سب لڑکیوں کے نام بھی بتا دوں میں۔ ارے میں تو تو اس کی ایک ایک حرکت سے واقف ہوں اور مجھے بہت مان ہے اپنے بیٹے پر کہ وہ بری صحبت میں

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

نہیں ہے اور نہ اس کے کسی کے ساتھ غلط قسم کے تعلقات ہیں۔ تم بتاؤ گے مجھے میری اولاد کے بارے میں جو خود اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو کبھی سمجھ نہ سکے۔"

بولتے بولتے ان کی سانس پھولنے لگی تھی مگر وہ اب بھی بولے جا رہی تھیں۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اٹھی اور بمشکل خود کو سمیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اس کا روم روم جیسے ایک اذیت میں تھا۔

"ہادیہ۔" بھابھی نے اس کے قریب بیٹھ کر دھیرے سے پکارا۔

اس نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر خود پر کنٹرول نہ کر سکی اور ان کے گلے لگ کر بے تحاشا رو پڑی۔

"بس کرو ہادیہ۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہادیہ ان سب کی فطرت میں شک ہی ہے جو شاید کبھی دور نہیں ہو سکتا۔"

"میں سمجھ گئی ہوں بھابھی، میں اب سب کچھ سمجھ گئی ہوں۔" اس کے ایک ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے دکھ سے کہا۔

"میں کبھی یہ جان ہی نہیں سکی تھی بھابھی کہ میرے ماں باپ اور بھائی میری حفاظت نہیں کرتے بلکہ اپنے اندر کے شک سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ باہر نہ آ جائے۔ لیکن بھابھی صرف ماں باپ کو ہی تو اپنی اولاد پر اعتبار نہیں ہوتا ناں، اولاد کو بھی تو ماں باپ پر مان ہوتا ہے کہ وہ بھی ان پر شک نہیں کریں گے۔"

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ مگر وہ بولتی چلی گئی۔

"بھابھی ایک بار صرف ایک بار وہ میری پوری بات تو سن لیتے۔ انہوں نے ایک نظر بھی مجھے بغیر شک کے نہیں دیکھا۔"

"بس کرو ہادیہ تم دیکھنا یہ سب حالات تمہارے حق میں ہی جائیں گے۔" بھابھی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

تب ہی پھپھو کمرے میں داخل ہوئیں اور نہایت آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گئیں اور نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

بھابھی کمرے سے جا چکی تھیں۔

کتنے ہی دنوں بعد کسی کی نرم نرم سی محبت کو محسوس کر رہی تھی وہ یکدم اس کی آنکھوں سے گرم گرم مادہ بہنے لگا تو پھپھو نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو صاف کئے تو وہ جھٹ سے ان کے سینے میں سما گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کا درد ان کی آنکھوں کو بھی بھگو رہا تھا۔

کافی دیر بعد جب وہ سنبھلی تو پھپھو نے اسے خود سے الگ کر دیا اور بولیں۔

"ہادیہ میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے۔ اپنی بیٹی کی طرح چاہا ہے۔ جب تم بہت چھوٹی سی تھیں ناں تب میں نے بہت چاہا تھا کہ تم کسی طرح میرے گھر آ جاؤ ہمیشہ کے لئے۔ لیکن تم بھائی صاحب کے گھر کا چراغ تھیں لہٰذا میں نے خود کو بہت تسلی دی خود کو بہت بہلایا تھا صرف یہ سوچ کر کہ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو میں بھائی صاحب سے پورے وثوق کے ساتھ تمہیں مانگوں گی اپنے ریان کے لئے۔"

اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا جو جذب کے عالم میں بول رہی تھیں۔

"لیکن ریان..... وہ کبھی بھائی صاحب کو پسند ہی نہیں آیا تھا۔ تو میں بھی اپنی اس خواہش کو اندر ہی اندر کہیں دبا دیتی تھی۔ لیکن میں جانتی ہوں میرا بیٹا کیسا ہے؟ میں ماں ہوں اس کی۔"

ان کے اشکبار آنکھوں سے اپنے بیٹے کے لئے محبت ہی محبت چھلک رہی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

وہ حسرت سے ایک ماں کی ان برستی آنکھوں کو دیکھنے لگی جو اپنے بیٹے کے حق میں بھیگ رہی تھیں اور ایک وہ بدنصیب تھی جسے اس کے اپنے ہی ماں باپ قصوروار ٹھہرانے پر تلے ہوئے تھے۔

''بھائی صاحب کے مطابق پورے خاندان میں ریان کے ساتھ تمہارا نام لیا جا رہا ہے وہ بھی غلط انداز میں۔ اسی لئے انہوں نے تمہارا اور ریان کا رشتہ طے کرنے کی بات کی ہے لیکن میں نے ابھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ میں تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔''

اس نے حیران حیران نظروں سے ان کے چہرے کو دیکھا یعنی کہ جس شخص کے ساتھ اس کے نام کو غلط انداز میں لیا جا رہا ہے وہ اسی کے ساتھ منسوب کی جا رہی ہے تاکہ سب پر یہ واضح ہو جائے کہ جو کچھ سب سمجھتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں اس کے ماں باپ؟''

اس نے دکھ سے سوچا۔

''ہادیہ بیٹی، میں یہ رشتہ زبردستی طے نہیں کروں گی۔ اگر تم چاہو گی تو میں بھائی صاحب کو ہاں کہہ دوں گی وگرنہ.....''

وہ بالکل چپ چاپ بیٹھی تھی۔

''ہادیہ تمہیں اپنی بیٹی سمجھ کر ایک بات کہہ رہی ہوں کہ اگر تم ریان کے لئے انکار کر دیتی ہو تو پھر کسی دوسری جگہ صرف اس وقت ہاں کرنا جب تمہیں یہ یقین ہو جائے کہ وہاں کوئی تمہیں ریان کا طعنہ نہیں دے گا۔ اسے میری خود غرضی مت سمجھنا بیٹی، تم مجھے بہت عزیز ہو بس تمہاری تکلیف میرے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔''

اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ تو اس کو چپ کراتے کراتے وہ خود بھی آبدیدہ ہونے لگیں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ ان حالات میں اسے اپنی بہو بنائیں گی۔

''پھپھو جیسا میرے والدین چاہیں گے مجھے منظور ہوگا۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے آنسوؤں کو ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ارے بدنصیب ہیں یہ تمہارے ماں باپ جو اتنی سعادت مند بیٹی کو پہچان نہیں پا رہے مگر تم فکر مت کرو۔ تم دیکھنا ایک دن تمہارے اپنے کیسے تمہیں اپنانے کے لئے اپنے سینوں سے لگانے کے لئے بے چین ہوں گے۔ تڑپیں گے وہ سب تمہارے لئے۔''

پھپھو نے اس کے روتے بلکتے وجود کو دیکھ کر تسلی دی۔

وہ اپنے خالی خالی ہاتھوں کو بھیگی پلکوں سے مسلسل سمیٹ دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ زندگی میں آنے والی ایک نئی لہر بھی اس کے ساکن وجود میں ہلچل نہیں مچا سکی تھی۔ وہ کسی بھی جذبے کو اپنے دل میں محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کے گھر والوں نے بے اعتباری کا جو زخم اس کے دل پر لگایا تھا۔ وہ اسے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

جب اس کے اپنوں نے اسے بے مایاں کر دیا تھا تو دوسرے اس کی قدر کیونکر کریں گے۔ اسے اپنی بے وقعتی پر شدید رونا آ رہا تھا۔ کاش وہ اس دن وہیں کسی حادثے کا شکار ہو جاتی۔ ان بہت سے لوگوں کی طرح اپنی جان سے گزر چکی ہوتی جو اس وقت دنیا کے ہر جھمیلے سے آزاد تھے۔

اس کے آنسو قطرہ قطرہ اس کے ہاتھوں کو بھگو رہے تھے۔

تب ہی ہلکی سی آہٹ پر اس نے اپنی بھیگی پلکوں کو آہستگی سے صاف کیا۔ کتنا عجیب سا لگ رہا تھا اسے کہ جس شخص کے قدموں کی آواز پر اس کا دل مچلنا چاہیے تھا، دھڑکنوں کے بے

ترتیب ہونا چاہیے تھا۔ وہ بالکل ساکن تھیں، ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ تب ہی یکدم اسے محسوس ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جس کو اس کے ماں باپ نے اس کی سزا کے طور پر منتخب کیا تھا۔

اسے ریان سمیت خود سے بھی شدید الجھن ہو رہی تھی۔ مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جب کہ اس نے ایک نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی اور اپنے ہاتھ میں تھامی انگوٹھی کو نہایت نرمی سے اس کے سرمریں ہاتھ کی انگلی میں پہنانا چاہی مگر اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں خود پہن لوں گی۔" وہ بالکل بے تاثر لہجے میں بولی اور اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔

وہ چند لمحے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"میں تمہارے ہاتھ میں اس انگوٹھی کو دیکھنے کا منتظر رہوں گا ہادیہ۔"

وہ اتنا کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا پھر پلٹ کر بولا۔

"جاؤ چینج کر کے آرام کر لو۔" وہ چپ چاپ بیڈ پر سے اتر آئی اور ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔ اسے کسی بھی چیز سے دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں آگے اس کی زندگی میں کیا ہو گا؟ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"پھپھو آپ میرے ساتھ نہیں چلیں گی کیا؟"

آج اس کا بی اے کا پہلا پیپر تھا مگر پھپھو اس کے ساتھ جانے پر کسی طور راضی نہیں تھیں۔ جی کہ ان کا انکار سن کر اسے ہول اٹھ رہے تھے۔

"لیکن کیوں پھپھو؟" اس نے تھکے سے پوچھا۔

"ارے پیپر تمہارا ہے تم جاؤ بھئی، میں وہاں تین گھنٹے بیٹھ کر کیا کروں گی بھلا۔" وہ پیاز کاٹتے ہوئے نہایت مطمئن انداز میں بولیں۔

"لیکن پھپھو میں کبھی اکیلی نہیں گئی اماں یا دادی میرے ساتھ ضرور جایا کرتی تھیں۔ مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے آپ چلیں میرے ساتھ پلیز۔"

"اونہہ میں جانتی ہوں وہ تمہارے ساتھ کیوں جایا کرتی تھیں اور تمہیں کوئی ڈر ور نہیں لگتا میں یہ بھی جانتی ہوں بس تم عادی ہو چکی ہو ان کی اس لئے تمہیں ایسا محسوس ہوتا ہے ورنہ..... خیر چھوڑو اس بات کو، ریان تمہیں چھوڑ آئے گا اور پھر اسے کہہ دینا کہ واپسی میں بھی تمہیں لے آئے۔"

انہوں نے بات ختم کرنے والے انداز میں کہا تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ہوا ہے ہادیہ؟"

آج اس کا آخری پیپر تھا اور وہ پچھلے ایک گھنٹہ سے کالج میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سب لڑکیاں پیپر دے کر جا چکی تھیں جب کہ وہ ویٹنگ روم میں اس کا انتظار کر رہی تھی مگر ایک گھنٹہ گزر جانے کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

وہ بس رونے ہی والی تھی کہ اچانک اس نے گیٹ پر اسے آتے دیکھا اور فوراً باہر کی طرف جا لپکی۔

گھر آتے ہی پھپھو کو دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دے گیا تھا اور رونے لگی تھی۔

"ارے کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" پھپھو نے باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہونا کیا تھا امی اس کا پیپر ٹھیک نہیں ہوا اس لئے رو رہی ہے۔"

وہ انتہائی سنجیدگی سے مزہ لیتے ہوئے بولا۔

READING CORNER http://readingcornerpk.blogspot.com/

اس نے یکدم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جواب مسکرا رہا تھا۔

"پھپھو میں پچھلے ایک گھنٹہ سے کالج میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ مزید روہانسی ہو رہی تھی۔

"تو تم نے پوچھا نہیں اتنی دیر کیوں کی اس نے۔" پھپھو کو بھی شاید اب مزہ آنے لگا تھا۔

"انہیں اپنے دوست کے ساتھ چائے پینے میں دیر ہوئی تھی۔" اس نے خفگی سے اس کی طرف ایک نظر دیکھا جواب باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

پھپھو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ در آئی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔

"ریان کیوں تنگ کرتے ہو اسے؟" پھپھو نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا تو وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

"ذیشان بھائی کا فون آیا ہے؟" اس نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں لیکن آج تم کر لینا، شاید سائرہ کی طبیعت ٹھیک نہ ہو۔" وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔ ان کی ڈلیوری کے دن قریب تھے۔

"آپ کب جا رہی ہیں اسلام آباد؟" اس نے پوچھا۔

"تم فون کر کے پتہ کر کے سائرہ کی طبیعت ٹھیک ہے کہ نہیں۔ اگر کچھ مسئلہ ہوا تو میں فوراً چلی جاؤں گی۔"

"جی اچھا۔" وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"پھپھو آپ وہاں سے واپس کب آئیں گی؟" وہ کچھ ہی دنوں بعد اسلام آباد ذیشان بھائی کے پاس جا رہی تھیں۔ سائرہ بھابھی کی طبیعت اب بالکل ٹھیک تھی لیکن وہ پھپھو کو اپنے پاس ہی بلا رہی تھیں۔ وہاں ان کی دیکھ بھال کرنے کو کوئی بھی نہیں تھا۔ احد کی پیدائش پر وہ یہیں کراچی میں پھپھو کے پاس ہی تھیں۔ لیکن اب ذیشان بھائی کے اچانک ٹرانسفر کی وجہ سے انہیں بھی وہیں جانا پڑا لیکن اب وہ بالکل اکیلے ہو جانے کی وجہ سے کچھ گھبرائی ہوئی تھیں۔ جب کہ پھپھو کا دل بھی وہیں اٹکا رہتا تھا۔

"دیکھو بیٹا کب واپس آتی ہوں یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ بس میرا دل سائرہ کی طرف سے بہت پریشان ہے۔"

وہ واقعی کئی دنوں سے کچھ پریشان پریشان سی لگ رہی تھیں۔

"آپ فکر مت کیجیے پھپھو انشاء اللہ سب ٹھیک ہی ہوگا۔" وہ انہیں تسلی دینے لگی۔

"اور ہاں ہادیہ میرے پیچھے ریان کو اپنے ہونے کا احساس خود دلانا۔ وہ کچھ لاپرواہ ہے مگر بے حس نہیں ہے۔ جو تمہارا دل چاہے اس کی فرمائش کر دیا کرو وہ تمہارا شوہر ہے وہ اور پورا حق ہے تمہارا اس پر میں تمہاری بھی فطرت جانتی ہوں کوئی تمہارے ساتھ جتنا بھی غلط کرے چپ ہی رہو گی مگر اب ایسا مت کرنا اچھا۔ ریان کی جو بات یا جو حرکت غلط لگے فوراً ٹوک دیا کرو۔ وہ تمہاری کسی بھی بات کا برا نہیں منائے گا بلکہ مجھے یقین ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے گا۔ بہت محبت کرتا ہے وہ تم سے۔"

پھپھو بولتے بولتے اچانک اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولیں۔ تو وہ قدرے حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ کیسے جانتی تھیں یہ بات جب کہ انہوں نے شاید ہی ان دونوں کو آپس میں کوئی بات کرتے دیکھا ہو۔

پھپھو اس کی آنکھوں میں تجسس دیکھتے ہوئے مزید بولیں۔

"میں جانتی ہوں ریان تمہیں بہت چاہتا ہے اور یہ بات میں اب سے نہیں بہت پہلے سے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

جانتی ہوں۔ ماں ہوں اپنی اولاد کے جذبات اچھی طرح سمجھتی ہوں اور پھر ریان، وہ بھلا اپنی ماں سے اپنے احساسات کو پوشیدہ کیسے رکھ سکتا ہے۔ میں نے کبھی اپنی اولاد کو خود سے اتنی دور نہیں رکھا بیٹا کہ میں ان کے قریب تو رہوں مگر ان کی ذہنی حالت کے بارے میں نہ جان سکوں اور ویسے بھی ماں باپ اور اولاد کے درمیان اتنے گہرے فاصلے ہرگز نہیں ہونے چاہیں کہ جب خدانخواستہ کوئی بات ہو جائے تو سب سے پہلے ماں باپ ہی اسے برا بھلا کہیں۔ اچھا خیر چھوڑو اس بات کو۔'' بولتے بولتے اچانک انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ انہوں نے فوراً موضوع بدل دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

''ریان نے ایم سی ایس کیا ہے مگر پتہ نہیں کب اسے کسی اچھی سی جگہ پر جاب ملے گی۔ میں اس کی طرف سے اکثر فکر مند ہو جاتی ہوں۔ چار پانچ ہزار روپوں سے گھر کا خرچ کہاں پورا ہو سکتا ہے؟ جب تک ذیشان یہاں تھا زیادہ تر اخراجات وہی پورے کیا کرتا تھا۔ مگر جب سے وہاں گیا ہے بہت مشکل ہو رہی ہے۔ وہ تو وہاں سے بھی مجھے پیسے بھیج رہا تھا۔ مگر میں نے خود ہی منع کر دیا۔ کیونکہ ان کے اپنے بہت سے اخراجات بڑھ رہے ہیں اور اوپر سے وہ ایک کرائے کے فلیٹ میں رہتے ہیں۔''

پھپھو بہت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ وہ وقفے وقفے سے اسے گھر کے تمام حالات سے واقف کرتی رہتی تھیں اور وہ خود بخود ان مسائل کے بے حد قریب ہوتی جا رہی تھی۔

پھپھو کو اسلام آباد گئے تقریباً دو ماہ ہو چکے تھے۔ سائرہ بھابھی نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ جس پر سب ہی بے حد خوش تھے۔

''پھپھو آپ...... آپ کب آئیں گی دو ماہ تو ہو گئے ہیں آپ کو وہاں گئے۔'' اس نے لاڈ سے کہا۔

''بس آپ جلدی سے واپس آ جائیں میرا آپ کے بغیر بالکل دل نہیں لگتا پھپھو۔'' وہ تقریباً رو پڑی تھی۔ پھپھو کو یکدم ہنسی آ گئی۔

''ارے بیٹا! تم مجھ سے نہیں اپنے میاں سے دل لگاؤ۔ کیونکہ میرا ابھی واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

ان کی بات پر وہ آنسو صاف کرتے کرتے مسکرا پڑی تھی۔

پھر فون بند کر کے پلٹی ہی تھی کہ یکدم ڈر کے مارے وہیں ٹھہر گئی۔ وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ وہ خائف خائف سی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی سائیڈ سے نکل کر آگے بڑھ ہی رہی تھی کہ اس نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا۔

''یہ لو۔''

اس نے بلیو کلر کے ریپر میں لپٹا ایک چھوٹا سا گفٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے شاندار رزلٹ کی خوشی میں بہت بہت مبارک ہو۔''

اس نے گفٹ دوبارہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی۔

یکدم اسے اس پر اتنا شدید غصہ آیا مگر ضبط کر گئی۔ اس کا بی اے کا رزلٹ ایک ہفتہ پہلے اناؤنس ہو گیا تھا اور وہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف سے ''مبارکباد'' کا لفظ سننے کی منتظر تھی۔ مگر اس نے ایک بار بھی اسے مبارکباد نہیں دی تھی۔

''سوری ہادیہ، میں تمہیں پہلے دن ہی وش کر دیتا مگر......''

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''حد ہوتی ہے لاپرواہی کی۔ ہادیہ، یار میرے پاس پیسے نہیں تھے اس لئے گفٹ بھی نہیں خرید سکا تھا اور پھر اسی لئے خالی مبارکباد دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مجھے۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

''آج سیلری ملی ہے اور آج ہی میں تمہارے پاس آگیا ہوں گفٹ لے کر۔'' اس نے گفٹ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

''مجھے تمہارے گفٹس استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر کیوں اتنا تردد کیا تم نے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے گفٹ لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔

کتنا عجیب شخص تھا جو خوشی کو تحفوں میں ماپ رہا تھا۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر باہر جا چکا تھا۔ پتہ نہیں اس نے اچھا کیا ہے یا نہیں؟ وہ اس کے اس طرح جانے پر کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

''السلام علیکم اماں!''

شادی کے بعد آج وہ پہلی بار گھر آئی تھی۔ ریان اسے باہر سے ہی چھوڑ کر جا چکا تھا اور اس نے بھی اس کے اندر آنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔

کتنے ہی دنوں سے اس کا دل مچل رہا تھا کہ کسی طرح اماں اور بابا کی صورت دیکھ لے۔ جب کہ اماں اور بابا اس سے ملنے صرف ایک بار آئے تھے وہ بھی شاید اس سے ملنے نہیں بلکہ پھپھو کو اسلام آباد جانے سے پہلے انہیں سی آف کرنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں اس کا دل کہتا تھا کہ وہ اس سے ملنے آئے ہیں۔

اماں نے اسے ایک نظر دیکھا اور سلام کا جواب دے کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے پاس ہی چارپائی پر آ بیٹھی اور اماں کے تیزی سے سبزی بناتے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

اس نے ہمت کر کے ان کے ہاتھ سے چھری لے کر خود سبزی بنانی چاہی مگر انہوں نے فوراً اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور بولیں۔

''اپنے ماں باپ کی زندگیاں برباد کر کے بہت خوش ہوں گی ناں تم اپنی زندگی میں، تو جاؤ رہو وہیں یہاں کیا کرنے آئی ہو تم؟ اگر تمہارے بابا نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو بالکل اچھا نہیں ہو گا۔ جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔''

وہ سر جھکائے وہیں بیٹھی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اٹھی اور بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت سو رہے ہوں گے۔ وہ تو بس انہیں ایک نظر دیکھنا چاہتی تھی۔

انہیں گہری نیند میں سوتا دیکھ کر وہ واپس پلٹ آئی اور بمشکل چلتی ہوئی صحن میں چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس سے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ دادی بھی گھر پر نہیں تھیں اور بھابھی شاید اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کے بند کمرے کو دیکھ کر سوچا۔ کس طرح وہ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر اپنے چاروں طرف دوڑائی جہاں خوبصورت یادیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں خود بخود بھیگ گئی تھیں۔ تب ہی ریان کی بائیک کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک نظر کچن میں کام کرتی اماں پر اور دوسری نظر بابا کے کمرے پر ڈالی اور بے دردی سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو رگڑا اور باہر نکل گئی۔ اس کا ذہن بری طرح شل ہو رہا تھا۔ گھر آ کر بھی وہ خود کو پرسکون نہیں کر سکی تھی۔

وہ اسے کتنی ہی دیر سے میکانکی انداز میں کام کرتے دیکھ رہا تھا۔

''آج کیا بنا رہی ہو ہادیہ۔'' وہ اس سے بات کرنے کی خاطر بولا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

جواباً وہ بالکل خاموش رہی اور بولتی بھی کیسے اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولا سا رکا ہوا تھا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کیئے اور روٹی بنانے لگی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آکھڑا ہوا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا مگر اس نے فوراً اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایک شکوہ کناں نظر اس پر ڈالی کہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

”کیا بات ہے ہادیہ جب سے تم وہاں سے آئی ہو بہت پریشان......“

”میری پریشانی کا تم سے کیا تعلق؟“ وہ مزید خود پر ضبط نہ کر سکی اور پھٹ پڑی۔

”میری زندگی برباد ہو گئی ناں۔ کیوں آئے تھے تم میری زندگی میں۔ تمہاری وجہ سے میرے ماں باپ میری صورت تک دیکھنے کے روادار نہیں ہیں صرف تمہاری وجہ سے ریان رضا۔ نہ تم اس دن وہاں آتے اور نہ میں یوں اپنے ماں باپ کی نظروں میں گرتی۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ ہاتھوں میں چہرہ دے کر رو پڑی۔

وہ چند ثانیے اسے خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا پھر باہر نکل گیا۔ وہ اس وقت شدید ذہنی خلفشار کا شکار ہو رہی تھی۔ جس کو وہ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ ناحق اس کے ساتھ الجھ پڑی تھی۔ حالانکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ اگر اس دن وہاں نہ آتا تو نجانے اس کے ساتھ کیا ہوتا؟

وہ اکثر یہ بات سوچ کر جھرجھری لے کر رہ جاتی تھی۔ جب کہ اسے اپنی غلطی کا بھی احساس تھا کہ اگر وہ اسے اس دن وہاں سے رات کے بارہ بجے نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو مزید اس کے لئے مشکل پیدا نہ ہوتی۔ مگر اب وہ کیا کرے؟ وہ خود اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اماں کے رویے نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا اور اس کی کمزوری اس کے سامنے غلط انداز میں آ گئی تھی۔

جس وقت وہ کھانے کی ٹرے کمرے میں لے کر آئی تو وہ پوری محویت سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔

اس نے اس کے سامنے رکھی میز پر ٹرے رکھی اور جانے کے لئے واپس مڑ گئی۔ وہ ایک نظر اس کے آنسوؤں سے دھلے چہرے پر ڈال کر دوبارہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ تمام کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو ٹیبل پر کھانا جوں کا توں رکھا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کیا اور ایک نظر اس پر ڈالی جو صوفے پر بے ترتیبی سے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ایک قدم اسے جگانے کے لئے آگے بڑھی مگر وہیں رک گئی۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ وہ واپس مڑ گئی اور پندرہ منٹ تک ایک ہی کنڈیشن میں بیٹھی رہی۔

اس کا دل ہی نہیں مان رہا تھا کہ وہ بھوکا سوئے۔ یہی سوچ کر وہ بیڈ سے نیچے اتری اور کھانا گرم کر کے دوبارہ اسی میز پر لا رکھا۔ وہ اب بھی گہری نیند میں تھا۔

مگر وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور دھیرے سے اس کا کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اور یوں اپنے قریب کھڑا دیکھ کر قدرے پریشانی سے بولا۔

”کیا ہوا؟ خیریت تو ہے ناں۔“ اس کے اس طرح پوچھنے پر اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا اور آہستگی سے بولی۔

”کھانا کھا لو۔“

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے اٹھتا دیکھ کر وہ مطمئن سی واپس مڑ گئی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''تم نے کھانا کھایا ہے ہادیہ۔'' اس نے پوچھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے پھر یہ لے جاؤ مجھے بھی نہیں کھانا۔'' اس نے فوراً پلٹ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا جو دوبارہ لیٹنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اسے ایک لمحے کے لئے اس پر غصہ آ گیا تھا۔ مگر پھر اپنی فطری نرمی کے باعث برداشت نہ ہوا کہ وہ بھوکا سوئے سو اس کی طرف بڑھ گئی اور سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی۔

اسے یوں اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتا ہوا اس کی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ جب کہ وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

اچانک ہی اس کی زندگی میں ایک اور تبدیلی آئی تھی۔ جس جگہ پر جانا اور جا کر پڑھنے کو وہ محض ایک خواب سمجھا کرتی تھی۔ وہ حقیقت بن کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

ریان نے زبردستی اس کا ایڈمیشن یونیورسٹی میں کرا دیا تھا۔ جب کہ وہ اس کے لئے ذہنی طور پر ہرگز تیار نہیں تھی بلکہ وہ بہت ڈر سی گئی تھی کہ جس اعتماد کی بناء پر ریان نے یہ قدم اٹھایا ہے کہیں شک کی وجہ سے دوبارہ اس کی زندگی کو مشکل بنا دے۔ اماں اور بابا کے بعد ایک وہی تو شخص تھا جس پر وہ بے اختیار مان رکھتی تھی اور اگر اسی شخص نے اسے اماں اور بابا کی طرح.....

''نہیں۔''

وہ اس سے آگے مزید کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اچانک اس کی نظر وال کلاک پر جا پڑی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

دیر تو وہ تقریباً روز ہی آتا تھا مگر اتنی دیر تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جب تک وہ گھر نہ آ جاتا اس کا دل بے چین ہی رہتا تھا۔ اسے گھر میں بولتے سناٹے سے عجیب سے خوف محسوس ہوتا تھا۔

وہ پریشان پریشان سی اٹھی اور کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگانے لگی۔ اس نے باہر کا دروازہ لاک کر رکھا تھا مگر اس وقت اسے اس قدر ڈر لگ رہا تھا کہ وہ کمرے کا دروازہ اور کھڑکی بھی بند کر کے دم سادھے بیٹھی تھی۔

اسے اب خوف کے ساتھ ساتھ اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اور وہ فوراً باہر کی طرف دوڑ پڑی۔

''کون؟''

''ہادیہ دروازہ کھولو۔''

باہر سے آتی اس کی آواز سن کر اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ اسے دیکھ کر اسے ایک دم سکون سا ہو گیا تھا۔

وہ اس پر ایک نظر ڈال کر دروازہ بند کر کے آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اس کی آواز پر فوراً رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کہاں تھے تم اب تک؟''

اس کے لہجے میں خود بخود سختی در آئی تھی۔ وہ قدرے حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کے یوں دیکھنے پر مزید تپ گئی تھی۔

''میں نے پوچھا ہے کہاں تھے تم اب تک؟ تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہے کہ میں گھر پر اکیلی ہوں گی اور تم..... تمہیں رات کے گیارہ بجے گھر آنے کی فرصت مل رہی ہے کون سا آفس کھلا رہتا ہے اتنی رات گئے تک؟''

وہ چپ چاپ اسے بولتا دیکھ رہا تھا۔ شادی کے بعد آج پہلی بار وہ اسے اس طرح ناراضگی سے مخاطب کر رہی تھی اور اسے اس کا یوں بولنا

بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"یونہی بولتی رہا کرو اچھی لگتی ہو۔"

اس نے دھیرے سے اس کے دائیں گال کو چھو کر محبت سے کہا۔ تو وہ جو مزید کچھ بولنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اس کے اس انداز پر گھبرا کر نظریں جھکا گئی تھی۔

"ہادیہ میں تم سے......"

یکدم اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا پتہ نہیں وہ کیا کہنے جا رہا تھا۔ اس سے مزید کھڑا نہ رہا گیا۔ وہ تیزی سے واپس مڑی اور اندر کی طرف بھاگ گئی۔

"میں تو تمہیں دیر سے آنے کی وجہ بتانے والا تھا یار۔" وہ اس کے پیچھے زور سے مسکرا کر بولا۔ جب کہ وہ اس کی مسکراہٹ میں چھپی شوخی کو سمجھ گئی تھی۔

اس نے اب خود کو کافی حد تک نارمل کر لیا تھا۔ وہ اب پہلے کی طرح گزرے ہوئے وقت کی اذیت کو موجودہ لمحے پر حاوی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے مکمل طور پر خود کو اس گھر کی خوشیوں اور غموں کا حصہ بنانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

ڈاکٹر زارا کی رخصتی ہو چکی تھی اور اسی خوشی میں اس نے ان دونوں کو اپنے گھر دعوت پر بلایا تھا۔ وہ جلدی جلدی سے تیاری مکمل کر رہی تھی۔ ریان آنے والا تھا۔ اس کے کپڑے پریس کر کے اس نے پہلے ہی ہینگر کر دیئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ریان آ گیا تو وہ اس کو اس کے کپڑے تھما کر خود بھی تیار ہونے لگی۔ جب وہ تیار ہو کر باہر آیا وہ بالکل تیار کھڑی تھی۔ اس نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پر ڈالی پھر آگے بڑھ گیا۔

وہ بلیو کلر کے جارجٹ سوٹ میں میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک لگائے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ مگر نجانے کیوں وہ اسے دیکھ کر اپ سیٹ سا ہو گیا تھا۔

ابھی پچھلے ہفتے اس نے اسے پرپل کلر کا سوٹ برتھ ڈے گفٹ کے طور پر دیا تھا اور پتہ نہیں کیوں اسے یقین سا تھا کہ وہ یہی سوٹ پہنے گی مگر اس نے آج تک اس کی دی ہوئی کوئی چیز استعمال نہیں کی تھی۔ تو اب یہ سوٹ وہ کیسے پہن سکتی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ وہ اس کے قریب ہوتی جا رہی ہے مگر وہ تو آج بھی اس سے پہلے دن کی طرح دور تھی۔ وہ یاسیت میں گھرا اسے لے کر نبیل اور زارا کے گھر پہنچ گیا۔

"کتنے عرصے بعد تم سے مل رہی ہوں ہادیہ۔ آخری مرتبہ بھی میں ہی تم سے ملنے تمہارے گھر آئی تھی اور تم خود تو مجھ سے نہیں مل سکتی ناں۔" وہ شکوہ کرنے لگی۔

"تمہاری شادی پر تو آئی تھی میں۔" اس نے کہا۔

"ارے یار اس وقت اس طرح مل بیٹھ کر باتیں تھوڑا ہو سکتی تھیں۔ خیر تم سناؤ کیسی گذر رہی ہے ریان کے ساتھ۔"

کھانے کے بعد وہ الگ کمرے میں چائے پیتے ہوئے بولی۔

"اچھی گزر رہی ہے۔"

"ریان بہت تعریفیں کرتا ہے تمہاری۔" وہ چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے مسکرا کر بولی تو وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم کھانا بہت اچھا بناتی ہو اس کے آرام کا بہت خیال رکھتی ہو اور اس سے بہت محبت کرتی ہو وغیرہ وغیرہ۔" اس کی آخری بات پر وہ چونک سی گئی تھی۔

اس کے بعد زارا ہی اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ جب کہ وہ بس ہوں ہاں میں ہی جواب دیتی رہی تھی۔

اس کا ذہن مسلسل اس کے انہی الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔ ریان کے لئے محبت کا لفظ اس نے پہلی بار سنا تھا۔ وہ قدرے پریشان ہوگئی تھی۔

گھر آ کر بھی اس کا ذہن بار بار زارا کے ان الفاظ کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ اس نے کب محسوس کیا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے جب کہ اس نے یہ بات زارا کو بھی بتا دی تھی۔

''تم آج بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے۔''

ریان اسے پچھلے دو دنوں سے ٹمپریچر ہو رہا تھا اور وہ لاپرواہی برت رہا تھا۔

''تمہیں میری اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے؟'' وہ اسے جانچنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

اس کے اس طرح پوچھنے پر ایک لمحے کے لئے وہ بوکھلا سی گئی تھی۔ پھر چپ چاپ اٹھ کر کچن میں چلی آئی اور اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھلی۔ وہ بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اور لائٹ آن کر کے اس کے پاس آ بیٹھی۔

''تمہیں تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے ریان۔''

وہ دھیرے سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشویش سے بولی۔

وہ اس کی پریشانی پر مسکرا دیا۔

''میں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں لے کر آتی ہوں۔'' وہ اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔

''ہادیہ میں..... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔'' وہ اس کا گیلا سرد ہاتھ اپنے تپتے ہاتھوں میں تھام کر بولا۔

وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''کرتی ہو ناں ہادیہ۔'' اس نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں..... میں پتہ نہیں۔'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر یہ سب کیا ہے ہادیہ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تم کیوں میرے لئے اتنی پریشان ہو جاتی ہو؟ کیوں مجھے اس طرح ٹریٹ کرتی ہو کہ میں یہ سمجھنے لگتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔''

یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں اس قدر حساس کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے بھی تو اس نے اس کے لئے وہ سب محسوس نہیں کیا تھا جو اب محسوس کرنے لگی تھی۔

وہ سر جھکائے کھڑی رہی اور بولی۔

''کچھ بھی نہیں۔'' جب کہ وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ چھوڑا اور دوبارہ لیٹ گیا۔

وہ اس وقت یونیورسٹی کی لابی میں بیٹھی مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ اس وقت کیا کر رہا ہوگا؟ اور ناشتہ بھی کیا ہوگا یا نہیں؟ وہ خود آفس نہیں گیا تھا مگر اسے زبردستی یونیورسٹی بھیج دیا تھا۔

وہ مسلسل اسی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ ایک دم وہ اپنی پریشانی پر ہنس پڑی۔

''تو کیا میں واقعی ریان سے محبت.....''

READING CORNER
http://readingcornerpk.net/

وہ خود سے مخاطب ہوئی مگر اس کا دل اتنی زور سے دھڑک اٹھا کہ وہ خود سے بھی پوری بات نہیں کہہ پائی۔

کتنی تبدیلی آئی تھی اس کی زندگی میں اس کے خیالات میں اور اس کے اندر کی کیفیت میں۔ اب وہ پہلے کی طرح ڈری سہمی نہیں رہتی تھی بلکہ سب سے اعتماد کے ساتھ بات کیا کرتی تھی اور یہ اعتماد اسے ریان نے ہی دیا تھا۔ وہ اس دن کو یاد کرنے لگی جب اس نے پہلی بار اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ وہ لنچ ٹائم میں اسے یونیورسٹی سے لینے آتا تھا مگر اس دن اسے کسی ضروری کام کی وجہ سے لینے نہیں جا سکا اور جب وہ اس کام کو نمٹا کر راستے میں گھر آیا تو دروازے پر تالا لگا دیکھ کر وہ یکدم پریشان ہو گیا تھا۔

وہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ اسی وجہ سے سیدھا یونیورسٹی جا پہنچا اور اسے گیٹ کے پاس بنے بنچ پر بیٹھا دیکھ کر ایک دم اس کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

''تم اب تک یہیں بیٹھی ہو؟''

اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف بڑھی مگر اس کا غصے سے بھرپور چہرہ دیکھ کر وہیں رک گئی۔

''جب میں فکس ٹائم پر تمہیں لینے نہیں آ سکا تھا تو تمہیں خود نہیں آنا چاہیے تھا کیا؟''

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ نم آنکھوں سمیت بولی۔

''اگر میں رات گئے تک گھر نہ آتا تو تم میرے انتظار میں یہیں بیٹھی رہتیں۔'' وہ مزید تپ گیا تھا۔

''بے وقوف ہو تم؟''

''میں اکیلی نہیں جا سکتی مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''اب تم خود یونیورسٹی آیا جایا کرو گی۔ میں دیکھتا ہوں تمہیں کیسے ڈر لگتا ہے۔ خود تو پریشان رہتی ہو دوسروں کو بھی تشویش میں مبتلا کر دیتی ہو۔''

وہ اس کے روٹے روٹے سے چہرے پر ایک نظر ڈال کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

اس کا یوں بولنا اور ہاتھ پکڑنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس کے غصے میں بھی اسے اپنے لئے اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

اس دن کا خیال آتے ہی وہ دل ہی دل میں مسکرا دی۔

اسی کی وجہ سے اب وہ اکیلی یونیورسٹی آیا جایا کرتی تھی اور اب اسے پہلے والا ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔ اس نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا اور گھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر اسی لمحے اس کا پاؤں مڑا اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑی۔

''ارے ہادیہ۔'' امبر جو شاید اسی کی طرف آ رہی تھی فوراً اس کے طرف جھکی۔

درد سے اس کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔ وہ بری طرح کراہ رہی تھی۔

''ہادیہ تم اٹھو جلدی سے میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتی ہوں۔'' اس کے پاؤں میں سے نکلتے خون کو دیکھ کر کہا۔

وہ اس کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پارکنگ میں کھڑی اس کی گاڑی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

امبر نے فوراً گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور اسے بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ فوراً بیٹھ گئی۔

''امبر۔''

اس نے ابھی گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی کہ امبر کو کسی نے آواز دے ڈالی۔

''عامر کیسے ہو؟'' وہ اس کا فرسٹ کزن تھا۔

''میں ٹھیک ہوں لیکن یار مجھے ذرا عثمان

کے پاس تو ڈراپ کر دینا مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔"

"اوکے بیٹھو۔"

اس نے اتنا کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس کی ایک قریبی کلینک میں بینڈیج کرا کے اسے اس کے گھر ڈراپ کرنے کے لئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"عامر میں ہادیہ کو پہلے ڈراپ کر دوں پھر تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔"

امبر نے پیچھے بیٹھے عامر کو کہا تو وہ "اٹس اوکے" کہہ کر اپنے موبائل میں بزی ہو گیا۔ جوں جوں گھر قریب آ رہا تھا اسے ایک عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ پیچھے بیٹھے شخص سے اسے بہت الجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی گاڑی اس کے گھر کے بالکل سامنے آ کر رکی۔ تو وہ فوراً نیچے اتر آئی اور امبر کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ عین اسی لمحے ریان باہر نکل آیا۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھے شخص کو دیکھ کر اس نے اگر کوئی غلط رائے قائم کی تو..... اور اس نے بھی وہی سوال کیا جو بابا نے اس سے کیا تھا تو.....

"کہاں تھیں تم اب تک؟"

اس کے ذہن میں بابا کی کرخت آواز گونج اٹھی تھی۔ تو ایک بار پھر وہ اپنے اندر خود کو ہی مرتے ہوئے محسوس کرے گی..... ایک بار پھر وہ خود کو دوسروں کی نظر میں گرتا ہوا دیکھے گی..... ایک بار پھر وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنے کردار کی پاکیزگی کے بارے میں قسمیں کھائے گی.....

اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ شاید وہ آج اس شخص کی نظر میں خود کو گرانا برداشت نہیں کر سکے گی۔ تب ہی وہ آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر اس نے گاڑی میں بیٹھی امبر اور اس شخص سے کیا بات کی؟ وہ بالکل بے خبر تھی۔

اس کے کانوں میں اس رات کے وہی رکیک الفاظ گونج رہے تھے۔

یکدم وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

وہ ایک اور قیامت کو خود پر ٹوٹتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

"کیا ہوا تھا ہادیہ؟"

اس نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اندر لے جاتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ تو یکدم وہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

"آج تم لیٹ ہو گئی تھیں تو میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں لینے چلا جاؤں مگر میں پھر خود ہی لینے نہیں آیا ورنہ....." وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کو بغور دیکھنے لگا۔ جو بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" اس نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

اسے شاید امبر نے بتا دیا تھا۔ وہ یکدم بلک بلک کر رو پڑی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"کیا ہوا ہادیہ؟" وہ اس کے یوں رونے پر متفکر ہو رہا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی بولے بغیر مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"ہادیہ کیا ہوا ہے اور تم رو کیوں رہی ہو؟ بہت درد ہو رہا ہے کیا؟"

وہ پریشانی اور محبت کے ملے جلے تاثرات سمیت بولا تو وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ریان امبر مجھے کلینک....."

"ہاں تو کیا ہوا، میں سمجھ رہا ہوں تمہیں وہیں دیر ہوئی ہو گی اور ویسے بھی اتنی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کو اتنا سیریس مت لیا کرو۔"

"تم مجھ پر شک تو نہیں کر رہے ناں۔" وہ

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

نہ جانے کس چیز کا اطمینان چاہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں کوئی خدشہ جھلک رہا تھا۔

چند ثانیے وہ بغور اسے دیکھتا رہا اس کے چہرے پر ایک خوف سا لہرا رہا تھا۔

اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں کسی چیز کا یقین مانگ رہی تھیں۔ وہ اس کی اس کیفیت کو بخوبی سمجھ گیا تھا۔ وہ دو قدم مزید آگے بڑھا اور اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں محبت سے تھام کر بولا۔

”زیان کو خود پر بھی اتنا اعتماد نہیں ہے جتنا اسے اپنی ہادیہ پر یقین ہے۔“

کتنے ہی لمحوں تک وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دھندلی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر یکدم اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اس نے دھیرے سے اس کے گرد اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ نجانے کتنی دیر تک وہ اسے یونہی خود سے لگائے کھڑا رہا۔ اس کے رونے کی شدت میں اب کمی آ چکی تھی۔ وہ آہستگی سے اس سے الگ ہوئی اور اس پر ایک نظر ڈالی۔

وہ اسے ہی وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکائے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ایک دم وہ بالکل شانت سی ہو گئی تھی۔ اس کا دل بہت ہلکا ہلکا سا ہو گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے اچانک کوئی بہت کھوئی ہوئی قیمتی شئے مل گئی ہو۔ جس کے کھو جانے پر وہ اپنا آپ بھلا چکی تھی اور اب وہی شئے مل جانے پر اسے اپنا آپ بہت معتبر سا لگ رہا تھا اور اسے اس کی ذات کا یہ یقین اس شخص سے ملا تھا جس کا یقین ہی اس کی پوری زندگی کا حاصل تھا۔

”بس اک یقین“
درد کے شناسا
رستوں پر
بکھرتے بکھرتے
اک عمر بیت گئی
بس اک یقین
کے سفر میں
تمہاری محبت جیت گئی

اس نے مطمئن انداز میں بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ جس وقت کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوا وہ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ آج پہلی بار نے اس کے چہرے پر اس قدر اطمینان دیکھا تھا۔

کس قدر معصوم سی لگ رہی تھی وہ یوں بے خبر سوتی ہوئی۔ اس کا دوپٹہ زمین پر گرا ہوا تھا۔ وہ کھانے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر آگے بڑھا اور اس کا دوپٹہ اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا۔ پھر کھڑکی کے پردے گرا کر خود بھی صوفے پر جا لیٹا۔ جتنا اطمینان وہ اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا اتنا ہی وہ اپنے اندر اس اطمینان کو محسوس کر رہا تھا۔

کافی دنوں سے دادی اماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ وہ بابا پر بار بار ہادیہ کو اپنے پاس لانے پر زور دے رہی تھیں۔

مگر اتنا عرصہ اپنی بیٹی سے اجنبیوں والا سلوک کر کے ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کیسے اس کا سامنا کر پائیں گے۔

”میرا دل کہتا ہے زیان کو میری ہادیہ کے ساتھ ہم سب نے ہی زیادتی کی ہے۔ جاؤ جاؤ تم لوگ اسے لے آؤ اور اگر تمہیں اس کے پاس جانے میں شرم آتی ہے تو مجھے لے چلو میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔“

دادی مسلسل روئے جا رہی تھیں جب کہ بابا کا دل بھی بری طرح پسیج گیا تھا۔ وہ کب اس سے الگ رہ سکتے تھے۔ انہیں خود اس بات کا

READING CORNER http://readingcornerpk.blogspot.com/

اندازہ ہو چکا تھا۔ مگر کس منہ سے اس کے پاس جائیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"میں جاؤں گی اپنی بیٹی کے پاس اماں، میں ضرور جاؤں گی۔ سات ماہ ہو گئے ہیں میں نے اسے دیکھا تک نہیں اور میں صرف آپ کی وجہ سے اپنی بیٹی سے دور رہی ہوں، آپ کی غیرت کی خاطر لیکن..... لیکن اب نہیں رکوں گی میں۔"

اماں مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

وہ شوہر کی وجہ سے اب تک اس سے دور رہنے پر مجبور تھیں مگر ماں کی ممتا کب تک تڑپتی رہتی۔ بابا اور بھیا شرمندہ شرمندہ سے نظر آ رہے تھے۔ اماں آنسو صاف کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں تو باقی سب بھی ادھر ادھر ہو گئے۔

"شکر ہے پھپھو آپ کو ہماری یاد تو آئی۔" اس نے محبت سے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔

وہ کل رات ہی اسلام آباد سے واپس آئی تھیں اور وہ ان کے آنے پر بے تحاشا خوش تھی۔

"یاد تو ہر دم آتی تھی بیٹا لیکن کیا کرتی یہاں رہوں تو وہاں کی محبت تڑپاتی ہے اور وہاں مجھے تم لوگوں کی محبت ستا رہی تھی۔"

"پھپھو آپ بہت اچھی ہیں بہت بہت زیادہ اچھی ہیں۔"

وہ اسے پہلے سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔

"ریان تمہارا خیال تو رکھتا تھا ناں۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے پوچھا۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آج میں بھائی صاحب کی طرف جاؤں گی اماں سے ملنے تم چلو گی؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ ان کے رویے کے بارے میں اچھی طرح جان چکی تھیں تب ہی زیادہ اصرار نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی اور وہ دروازہ کھولنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازہ کھولتے ہی اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

اس کے سامنے اماں، بابا اور بھیا کھڑے تھے۔ وہ اس قدر شاک میں تھی کہ انہیں سلام تک نہ کر پائی۔

اماں آگے بڑھیں اور بے تابی سے اسے لگا کر چومنے لگیں۔ یکدم اسے لگا جیسے اس کے زخموں پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ وہ فوراً اماں سے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی اور کافی دیر گزر جانے کے باوجود کمرے سے باہر نہ نکلی۔

وہ سب چھوٹے کمرے میں بیٹھے تھے۔ جب کہ پھپھو کی تیز آواز اس کے کمرے تک با آسانی پہنچ رہی تھی۔

"اتنے عرصے آپ کی محبت نہیں جاگی تھی بھائی صاحب جو آج اچانک آپ کا دل اس کے لئے تڑپنے لگا ہے۔"

"ہم بہت شرمندہ ہیں پھپھو۔" بھیا کی شرمندگی سے بھرپور آواز سنائی دی۔

مگر وہ مزید ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ جب کہ پھپھو مکمل طور پر اس کے حق میں بول رہی تھیں تاہم اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد پھپھو نے اسے بلایا اور فیصلے کا حق اسے دے دیا۔

اس نے ایک نظر سب پر ڈالی۔ بابا اسے انتہائی شفقت سے دیکھ رہے تھے۔ اماں کے چہرے سے جھلکتی محبت کو بھی وہ نظر انداز نہ کر سکی جب کہ بھیا اور بھابھی شرمندگی کے باعث سر بھی اٹھا نہیں پا رہے تھے۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''ہادیہ اپنے ماں باپ اور بھائی کو معاف نہیں کروگی بیٹا۔'' بابا کی کمزور سی آواز اس کا سماعتوں سے جا ٹکرائی۔

وہ کب یہ سب چاہتی تھی کہ اس کا ماں باپ اس کے سامنے شرمندہ ہوں۔ وہ فوراً بول اٹھی۔

''میں آپ لوگوں سے ناراض نہیں ہوں۔''

اس نے بمشکل اتنا کہا۔

اس سے اپنے آنسو ضبط کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ ایک دم سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اسے بالکل یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اپنے اس کے گھر پر اس کے لئے آئے ہیں۔ تھوڑی دیر اماں مطمئن سے انداز میں اٹھ کر اس کے قریب چلی آئیں اور بولیں۔

''ہادیہ ہم تمہیں لینے آئے ہیں بیٹا کچھ دن ہمارے پاس رہ کر واپس آ جانا۔ تمہاری دادی بھی تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں۔''

''میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتی۔''

اس کی بات پر سب تقریباً پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

وہ جو ابھی ابھی آفس سے واپس آیا تھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چھوٹے سے کمرے سے آتی ہادیہ کی آواز پر اسی کمرے کی طرف بڑھ گیا مگر پھر وہیں رک گیا۔

''مجھ پر میرے شوہر کا اختیار ہے اماں۔''

وہ اماں کو مخاطب کر کے بولی۔

''اور جس گھر میں میرے شوہر کی عزت نہیں کی جاتی میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ چاہے وہ میرے ماں باپ کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔''

اس کی بات کا مطلب سب سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

پھپھو نے محبت بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ جب کہ اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں اور فوراً باہر نکل گئی اور سامنے کھڑے ریان نے اس کے آخری الفاظ سن لئے تھے۔

''تم کب آئے؟'' وہ اس کے ہاتھ سے کوٹ لیتے ہوئے حیرت سے بولی۔

''ابھی آیا ہوں۔''

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے جاننا چاہ رہا ہو کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔

''ریان ایک منٹ بات سننا بیٹا۔''

پھپھو نے اس کی آواز سنی تو بابا کے اشارہ کرنے پر فوراً اندر بلا لیا۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ کچن میں آیا تو وہ رات کا کھانا بنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

''ہادیہ ماموں تمہیں لینے آئے ہیں ناں۔''

وہ مٹر کے دو دانے منہ میں ڈالتے ہوئے عام سے انداز میں بولا۔

کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔ تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بولا۔

''کیا کہہ رہا ہوں میں؟''

''میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں؟''

''میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میں تمہیں لینے آؤں گا ہادیہ۔'' وہ اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا۔

''آؤ گے مجھے لینے؟'' وہ پھر سے یقین مانگ رہی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ تقریباً ایک ہفتہ سے وہیں رہ رہی تھی اور اس دوران اماں اور بابا کے پرزور اصرار پر پھپھو اور ریان رات کا کھانا وہیں کھاتے تھے۔ لیکن آج پھپھو نے اس کے ساتھ وہاں چلنے سے انکار

READING CORNER
http://readingscornerpk.blogspot.com/

کر دیا تھا۔

"امی چلیں ناں آپ بھی۔"

"نہیں بیٹا تم اسے وہاں سے لے کر کہیں باہر سیر کے لئے جانا۔"

ان کی بات پر وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ شاید اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ دروازے پر دستک ہوتے ہی فوراً دروازہ کھولنے کے لئے اٹھ گئی۔

"کب سے انتظار کر رہی تھی میں تمہارا ریان اور تم اب آ رہے ہو۔"

اس نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا۔

"نہیں میں تو ٹائم پر ہی آیا ہوں۔" وہ رسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر بولا تو وہ جھینپ سی گئی۔

جب کہ وہ اس پر سے نظریں ہٹانا ہی بھول گیا تھا۔ اس نے وہی پرپل کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ہلکے ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔

وہ دلکشی سے اسے ہی تک رہی تھا۔ وہ اس کی نظروں سے گھبرا کر اندر کی جانب مڑی اور اماں کو اپنے جانے کی اطلاع دے کر فوراً باہر آ گئی۔

"چلیں ریان۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"ہاں چلو۔"

تب ہی اس نے اپنے ہاتھ میں موجود اس کے ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی محسوس کی۔ اس نے فوراً اس کا ہاتھ دیکھا۔ اس کی انگلی میں وہی انگوٹھی جگمگا رہی تھی جو اس نے اسے شادی کی پہلی رات کو دی تھی۔

وہ یکدم شانت ہو گیا تھا۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔

"کرتی ہو ناں مجھ سے محبت؟"

اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے محبت سے پوچھا۔ تو آنسو نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوہ تھینکس ہادیہ، تم نہیں جانتیں یار تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔" اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

اس سے مزید اس کی طرف نہ دیکھا گیا اور فوراً سر جھکا گئی۔

"گھر چلیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں پوچھا۔

"کیوں؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ مجھے پہلے آئسکریم کھانی ہے اور پھر شاپنگ بھی کرنی ہے۔"

اس کی بات سن کر وہ ایک دم مطمئن ہو گیا تھا۔

آج پہلی بار اس نے خود سے اس سے کسی چیز کی فرمائش کی تھی۔ وہ محبت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ جب کہ وہ اس کے بازو کو مضبوطی سے تھام کر بولی۔

"اب چلیں۔" وہ آگے کی جانب بڑھ گیا۔

وہ مطمئن مطمئن سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ آگے اٹھنے والا اس کا ہر قدم پر اعتماد تھا۔ کیونکہ اس کا یقین اس کے بالکل ساتھ تھا۔

اس کا یقین اس کا شوہر تھا جس نے اس کی ذات کے بھرم کو زروں میں بکھرنے نہیں دیا تھا اور نہ کبھی دے گا۔ بس اک یقین سا تھا اسے۔ وہ مطمئن سی اس کے ساتھ چلتی رہی زندگی کے ایک خوشگوار سفر پر۔

☆☆☆

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/